

اداریہ:

عہد حاضر اور ہم

اس سوچ میں کلیاں زرد ہونیں اس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئین گلستاں کیا ہوگا دستور بہاراں کیا ہوگا

کسی ملک و ملت کا استحکام اس کی داخلی و خارجی حیثیت سے وابستہ ہے، داخلی طور پر ان معنوں میں کہ اس کے باشندگان و افراد میں مکمل اتحاد و یکجہتی قائم ہو، اور ان کا ایک مربوط و متحد پلیٹ فارم ہو اور یہ سارا کھیل ایک اعلیٰ و ارفع اور مضبوط سیرت کی قیادت کی سرکردگی میں کھیلا جا رہا ہو۔ ان افراد میں علمی یک رنگی و مساوات ہی نہ ہو بلکہ ایک دوسرے کی کامل محبت و غنچاری بھی موجود ہو۔ ان میں کوئی ایک فرد یا طبقہ کسی دوسرے کے لئے حسد و عناد کا موجب نہ ہو اور نہ ان میں کوئی خفیہ دشمن سازشی یا شاکی موجود ہو۔ بلکہ سب بنیان مرصوص کی طرح اپنی منزلیں طے کرتے جا رہے ہوں، ان تمام کی بنیادی ضرورتیں کما حقہ پوری ہو رہی ہوں اور کوئی وجہ پریشانی و بدحواسی کی موجود نہ ہو، پوری کی پوری قوم تربیت یافتہ، اور اہم مسائل زندگی کو سمجھنے والی ہو بھلے برے کا واضح شعور رکھتی ہو اور آسانی سے فریب نہ کھا سکتی ہو، اس قوم کا ایک واضح اور احسن نصب العین ہو جس کے حصول کے لئے اس میں سچی تڑپ پائی جاتی ہو۔ اس کا اخلاق قابل اعتماد و تقلید ہو، وہ اتنی ذہین ہو کہ اس کائنات میں بکھرے ہوئے اسباب کو خوب سمجھ کر ان سے پورا پورا استفادہ کر سکے۔ اس کی عقل جامد نہیں بلکہ تمام زمان و مکان کے تقاضوں کو سمجھ کر ان کے مطابق چل سکتی ہو، الغرض وہ تمام مادی و روحانی اسباب سے اتنی آراستہ ہو کہ اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ خارجی طور پر اس کا استحکام اس بات میں ہے کہ کوئی دوسری قوم اس پر دست درازی کی ہمت اپنے اندر نہ پائے، اور وہ ایسے بین الاقوامی و قاری کی مالک ہو کہ اس کا وجود جہاں ایک طرف پر ہیبت ہو وہاں دنیا والوں کے لئے باعث اطمینان و راحت بھی ہو۔

وہ مقلد و مقتدی نہیں بلکہ رہبر و پیشوا کی حیثیت رکھتی ہو۔ اس کا اپنا جداگانہ اور مستقل تمدن اور معاشرہ موجود ہو، جس میں دوسروں کی نقالی نہیں، بلکہ جہاں والوں کے لئے تقلید کا سامان مہیا کیا گیا ہو، وہ دوسروں کے لئے ایک نمونہ بن جائے اس کے مدبر بین الاقوامی رفتار کو خوب سمجھتے ہوں اور اس کو اپنی ڈھب پر لے چلنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ دنیا کی بغض ان کے ہاتھ میں ہونہ کہ وہ دوسروں کی لکیر پیٹنے والے اور اغیار کے جنبش آبرو کے اشاروں پر رقص کرنے والے ہوں۔

استحکام کا یہ ایسا تخیل ہے جس سے اختلاف کی گنجائش نہیں، ان نکات میں اضافہ تو کیا جاسکتا ہے، مگر اس کے برعکس یا اس کے بغیر استحکام کی کوئی اور صورت ممکن نہیں بتائی جاسکتی اور اگر کوئی ممکن سمجھتا ہے تو وہ نادانوں کی مخلوق سے ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا کوئی نسخہ ایسا ہے جو ان خطوط پر انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اول تو ممکن نہیں کہ کسی نے کوئی ایسا نسخہ تجویز کیا ہو اور نہ اس کے نشان آج دنیا کی کسی قوم میں ملتے ہیں تاہم اگر ایسا ہو بھی تو وہ قوم جو ملت اسلامیہ کہلاتی ہے اس پر مجبور ہے کہ وہ دنیا جہاں سے بے نیاز ہو کہ اس نسخہ کی طرف رجوع کرے جو اس سے ایک فطری مناسبت رکھتا ہے۔

آج ہمارے ملک کے کونے کونے سے (پریس سے، اسٹیج سے، حکومت کے ایوانوں سے، اور گلی کوچوں سے) یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ پاکستان کی اول و اہم ضرورت اس کا استحکام ہے۔ اس کی اہمیت مسلمہ، مگر سوال یہ ہے کہ یہ کیوں کر ہو؟ اور اس کے امکانات ہمیں کہاں سے اور کس زاویہ نظر سے ڈھونڈنے کی کوشش کرنی چاہئے، ہم دوسروں کو بڑے فخریہ لہجہ میں یہ کہا کرتے ہیں کہ دنیا کی ضروریات اور مشکلات و مسائل کا واحد حل اسلام ہے۔ یہ نعرہ ہم لندن و نیویارک تک میں بلند کرنے سے نہیں ہچکچاتے، مگر کہنا یہ ہے کہ جس اسلام کی حجت ہم دوسروں پر اس شدت سے قائم کرتے ہیں کیا اس اسلام کا خود ہم پر یہ حق نہیں کہ ہم خود اپنے مسائل کے لئے بھی صرف اسی کی طرف رجوع کریں اور یوں اسلام کی صداقت کا اظہار محض زبان سے نہیں اپنے عمل سے دنیا پر کریں؟

آئیے اور معلوم کیجئے کہ اسلام بالخصوص سیرت طیبہ اُس امت کے استحکام کے لئے کیا

نسخہ پیش کرتی ہے، سورہ الحج کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس نسخہ کو یوں رقم کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ
وَفَاعِلُوا الْخَيْرِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ
جِهَادِهِ ط هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ
حَرَجٍ ط مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ط هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ
قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ج فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ط هُوَ مَوْلَاكُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ
النَّصِيرُ ۝ (۱)

اے ایمان والو! رکوع اور سجود بجالاؤ اور بندگی کرو اپنے رب کی اور نیک
عمل کرو، تاکہ تمہیں استحکام (فلاح) نصیب ہو، اور اللہ کے معاملہ میں
اس غور و فکر اور جدوجہد سے کام لو، جس کی کہ اللہ کی ذات حق دار ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ہی تمہیں سر بلند کیا ہے اور دین کے بارے میں تم پر تنگی اور
نقصان کی کوئی بات نہیں رکھی۔ تمہاری ملت اسوۂ ابراہیمی پر اٹھائی گئی
ہے۔ اسی نے سب سے پہلے تمہارا لقب مسلمان رکھا تھا۔ یقیناً جس طرح
یہ رسول ﷺ تم پر اس حق کا گواہ اور نمونہ ہے اسی طرح تم ساری دنیا کے
سامنے حق کا عملی نمونہ ہو، نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور ماسوا سے کٹ کر صرف
اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑو کیونکہ صرف وہی تمہارا مولا ہے کہ اس سے بہتر
والی اور ناصر کوئی نہیں ہو سکتا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بلا لحاظ مکان و زمان
امت مسلمہ کے لئے استحکام کا وہ نسخہ عطا فرمایا ہے جو پانچ امور پر مشتمل ہے:

۱۔ اخلاق، ۲۔ اتحاد و تنظیم، ۳۔ صالح قیادت، ۴۔ شہادت حق اور اقامت دین کا نصب

العین، ۵۔ ماسواء سے برأت۔

پاکستان کے قیام کو ۶۲ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے۔ ہم جہاں عملی میدان میں پاکستان کی کامیابیوں اور نارسائیوں، ترقیوں اور کوتاہیوں، پیش قدمیوں، جمود یا رجعتوں کی مکمل بیلنس شیٹ تیار کریں اور خود اپنا احتساب کریں، وہاں ہم کو نظریہ پاکستان کے حوالے سے بھی دیکھنا چاہئے کہ ان برسوں میں وہ ارتقاء اور تنزل کے کن کن مراحل سے گزرا۔ ہم نے کس حد تک اس نظریہ کو اپنایا اور کہاں کہاں مخالف سمت میں نکل گئے۔

نظریہ پاکستان: نظریہ پاکستان دراصل دور حاضر کی لادینی تہذیب کے خلاف مکمل اعلان بغاوت ہے، جو تہذیب انسانوں کے تمام معاملات، بالخصوص ان کے اجتماعی معاملات کو کسی آسمانی ہدایت کے تابع بنانے پر رضامند نہیں۔ اس تہذیب نے مسیحیت، اسلام اور بدھ مت کی روحانی مابعد الطبعی اور اخلاقی اساسیات پر مبنی عالمگیر ریاستوں کو ختم کر کے جغرافیائی، لسانی، لونی اور نسلی بنیادوں پر قائم ہونے والی قومی ریاستوں کو جنم دیا۔ اس تہذیب کی نگاہ میں کسی مذہب کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے مذہبی عقائد کی بنیاد پر کوئی سیاسی وحدت یا اجتماعیت قائم کرے۔

چنانچہ علامہ اقبالؒ نے تہذیب جدید کے اسی پہلو پر شدید تنقید کرتے ہوئے قومیت اور وطنیت کو تہذیب نو کا تراشیدہ سب سے بڑا بت قرار دیا تھا۔ حضرت علامہ کو اس بت پر ایمان لانے اور اس کی پوجا کرنے کے خطرناک نتائج کا بخوبی ادراک تھا۔ انہوں نے اس کے تباہ کن اثرات کو صاف صاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیراہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
مگر یہاں تہذیب سے مراد وہ مذہب نہیں جو انسانوں کی طرف انفرادی زندگی کو اپنے تابع بنا کر اور پوجا پاٹ کے چند مراسم کا مطالبہ کر کے راضی ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد وہ دین ہے جو انسانوں کے انفرادی معاملات کی طرح ان کے اجتماعی معاملات کو بھی اپنے تابع بنا کر رکھنا

چاہتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

ملت مارا اساس دیگر ست ایں اساس اندر دل ماضر ست

لا الہ سرامیہ اسرار ما رشتہ اش شیرازہ افکار

یعنی میری ملت کی بنیاد وطنیت اور قومیت سے ہٹ کر دوسری ہے، یہ بنیاد

میرے دل میں مخفی ہے۔ لا الہ الا اللہ میرے تمام اسرار کا سرمایہ ہے۔

میرے افکار کی وحدت اسی رشتہ سے قائم ہے۔

تہذیب نو کے اس بت کو خاک میں ملانے کا جو پیغام علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو دیا

تھا اسی پیغام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے علامہ نے مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں یہ تجویز پیش

کی کہ ہندوستان کے ان علاقوں پر مشتمل ایک الگ حکومت قائم کی جائے، جن علاقوں میں

مسلمانوں کی اکثریت ہے، اس طرح انہوں نے وطنی قومیت کی نفی کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی

ثقافت کی بنیاد پر جدا گانہ قومیت کا علمبردار بن کر آگے بڑھنے کی راہ دکھائی۔

وطنی قومیت سے بغاوت کر کے دین و ثقافت کی بنیاد پر قائم ہونے والے مسلم معاشرہ

کی علیحدہ اور جدا گانہ قومیت کا دعویٰ ہی درحقیقت نظریہ پاکستان کی اساس ہے۔ اس نظریہ کے

مطابق برصغیر کے مسلم عوام دنیا کے سامنے یہ دعویٰ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ وہ کوئی مذہبی اقلیت

نہیں ہیں، بلکہ غیر مسلموں سے علیحدہ ایک قوم ہیں جن کو ایک علیحدہ خطہ زمین میں اپنی حکومت

قائم کرنے کا حق ملنا چاہئے۔

چنانچہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی حکومت ہی کا نام پاکستان تجویز کیا گیا خواہ یہ

مسلمان پاکستان کی مجوزہ حدود کے اندر آباد ہوں یا اس حصے میں رہتے ہوں جہاں غیر مسلموں کی

اکثریت کی حکمرانی ہونی تھی۔ مسلم قومیت کے اس نعرے اور پاکستان کے اس نام میں ایسا جادو تھا

کہ برصغیر کے تمام مسلمان اپنے تمام فرقہ وارانہ، لسانی، نسلی اور علاقائی اختلافات فراموش کر کے

مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے نیچے جمع ہو گئے اور حصول پاکستان کی عظیم جدوجہد میں دل و جان

سے شریک ہو گئے۔ اس نظریہ کی قوت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس مطالبہ کو لے کر اٹھنے میں

اس کو متعصب ہندوؤں اور اسلام دشمن انگریزوں سے منوانے میں اور اس کے لئے قربانیاں دینے میں ان صوبوں کے مسلمان بھی نہ صرف شریک بلکہ پیش پیش رہے، جن صوبوں میں غیر مسلموں کی اکثریت تھی اور جو اسی بنیاد پر مجوزہ پاکستان میں شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ یعنی وہ مسلمان جو آج ہندوستان میں ہیں ان کا بھی پاکستان پر اتنا ہی حق ہے جتنا کسی پاکستانی کا۔

پانچ چھ سال کی مختصر مدت میں جب مسلمانوں نے انگریزوں اور ہندوؤں پر یہ واضح کر دیا کہ وہ اپنے اس مطالبہ کو حاصل کر کے ہی دم لیں گے۔ تب انہوں نے اس مطالبہ کو تسلیم تو کر لیا مگر ایسی تدابیر پر عمل درآمد شروع کر دیا کہ پاکستان کا تجربہ جلد از جلد ناکام ہو جائے اور برصغیر کے مسلمانوں کو بالآخر وطنی قومیت کا جزو بنالیا جائے۔ اس سلسلے میں جو سازشیں اور کوششیں کی گئیں، ان کا سلسلہ تو طویل ہے اور ان سب کا تذکرہ کرنا مقصود بھی نہیں، تاہم چند سازشوں اور کوششوں کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ وہ ہندو جو بھارت کی تقسیم کا نام سننے کو بھی تیار نہ تھے اور بھارت کی سرزمین کو گاد ماتا کی طرح مقدس سمجھتے تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ اب پاکستان بننے کو کوئی نہیں روک سکتا، تو انہوں نے مجوزہ پاکستان کو لولا لنگڑا بنانے کے لئے پنجاب، بنگال اور آسام کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا تاکہ یہ کٹا پھٹا پاکستان چار دن بھی قائم نہ رہ سکے اور انگریزوں کی مسلم دشمنی کا یہ شاہکار ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کے اس غیر معقول مطالبہ کو فوراً تسلیم کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غیر منقسم ہندوستان بالخصوص پنجاب میں بھیانک فسادات پھوٹ پڑے۔ بے گناہ آبادی کا قتل عام ہوا اور کروڑوں انسانوں کو، جن میں جوان مردوں کے علاوہ لاکھوں بوڑھے، پردہ نشین خواتین اور معصوم بچے بھی شامل تھے، نہایت بے سروسامانی کی حالت میں اپنا گھریا چھوڑ کر ترک سکونت پر مجبور ہونا پڑا۔

۲۔ پھر انگریزوں نے تقسیم کا یہ کلہاڑا صوبوں پر ہی نہیں بلکہ مذموم مقاصد کے لئے ضلعوں پر بھی چلایا۔ چنانچہ گورداسپور ضلع کی بعض تحصیلیں بھارت کو کاٹ کر اس لئے دی گئیں

تاکہ کشمیر سے بھارت کا زمینی راستہ قائم ہو جائے اور اسی فی صد سے زائد مسلم اکثریت کے علاقے کشمیر کو بھارت میں شامل کرنے کا جواز پیدا کیا جاسکے۔

۳۔ غیر منقسم ہندوستان کی افواج، انتظامیہ اور اثاثوں کی تقسیم میں تاخیری حربے استعمال کر کے پاکستان کو طویل مدت تک ان سے محروم رکھا گیا اور اس تقسیم میں ڈنڈی بھی ماری گئی۔

۴۔ گاندھی جی جیسے لیڈر نے جو تعصب سے بالکل پاک ہونے کے دعویدار تھے، سندھ کے غیر مسلموں کو ہدایت کی کہ وہ فوراً سندھ چھوڑ کر بھارت آ جائیں۔ حالانکہ اس صوبے میں غیر مسلموں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی بڑی کشیدگی نہ تھی، بلکہ ان کے باہمی تعلقات نہایت اچھے تھے۔ لیکن گاندھی جی کی طرف سے یہ ہدایت اس لئے دی گئی کہ چوں کہ سندھ کی انتظامیہ، سندھ کی صنعت و تجارت اور سندھ کے بڑے شہروں کی رونق غیر مسلموں کے دم سے ہے اس لئے اگر یہ لوگ سندھ سے نکل گئے تو نہ صرف سندھ بلکہ نوزائیدہ ملک پاکستان بتا شے کی طرح بیٹھ جائے گا۔

۵۔ بھارت کے ان علاقوں سے مسلمانوں کو بے سروسامانی کی حالت میں پاکستان کی طرف دھکیلا گیا، جن علاقوں میں مسلمان صدیوں سے رہتے تھے، مگر اقلیت میں تھے۔ استحکام نظریہ پاکستان: پاکستان کا وجود میں آنا عالم اسلام کی بیداری کا پیغام بن گیا، عالم اسلام جس کے شیرازے کو وطنیت اور قومیت کے نعروں میں پھنسا کر مغرب کے شاطروں نے پارہ پارہ کر دیا تھا۔ نظریہ پاکستان کی کامیابی سے برآمد ہونے والے قدرتی نتیجے کے طور پر اسلامی نظریہ حیات کو بھی اجتماعی معاملات میں مؤثر کردار ادا کرنے کا موقع ملا۔ جیسا کہ معلوم ہے اسلامی نظریہ حیات کی اساس اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ اور بندوں کی طرف سے اطاعت پر قائم ہے۔ اس نظریہ کی سب سے بڑی اور سب سے نمایاں کامیابی ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو سامنے آئی جب پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے جس میں بانیان پاکستان موجود تھے، قرارداد مقاصد پاس

ہوئی۔ اس قرارداد میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ اور پاکستان کے اقتدار و اختیار کو ایک مقدس امانت قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر اس کو استعمال کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ پھر جب ۱۹۷۳ء میں پاکستان کا دستور منظور ہوا تو سخت مخالفت حالات کے باوجود اس میں کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی کو روکنے اور کتاب و سنت سے متصادم قوانین کو منسوخ کرنے کا اصول تسلیم کیا گیا۔ (۲)

نظریہ پاکستان سے انحراف: جس جذبہ نے ہمیں ایک کردیادہ اسلام کا جذبہ تھا۔ تحریک پاکستان کی پشت پر نعرہ تھا: ”پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ“ لیکن ہماری سب سے بڑی اور اصل غلطی یہ ہے کہ ہم نے قیام پاکستان کے بعد اس جذبے کی نفی کر دی، بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اس کا گلا گھونٹ دیا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہم نے دنیا کے سامنے پاکستان کو ایک جدید سیکولر ریاست کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے، چنانچہ اس کا پہلا وزیر قانون ایک ہندو اور پہلا وزیر خارجہ ایک قادیانی مقرر کیا گیا، ہمارے زوال کے پس منظر میں اصل بات ہی یہ ہے۔ یہ سوغلیوں کی ایک غلطی ہے۔ یوپی کے کچھ علاقوں میں جہاں مسلم تہذیب کا غلبہ تھا ہندوؤں میں ایک رسم تھی کہ جب کوئی شخص نزع کی حالت میں بہت دیر تک رہتا اور اس کی جان نہ نکل رہی ہوتی تھی، اس وقت اسے کہا جاتا تھا کہ بھائی ”ان کہنی“ کہہ دے تاکہ تیری جان نکل جائے۔ جب وہ ”لا الہ الا اللہ“ کہہ دیتا تھا تو اس کی جان نکل جاتی تھی۔ سو یہ ”ان کہنی“ ہے جو قرارداد مقاصد کی صورت میں کہی گئی ہے۔

اس کا جو دوسرا بہت بڑا نتیجہ نکلا وہ یہ کہ دستور بنانا ہمارے لئے ناممکن ہو گیا۔ اس لئے کہ مغربی جمہوریت کا اصول تو ”One man one Vote“ ہے، اور یہ اس کا ایسا اصول ہے جس کی آپ کسی صورت میں خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ آپ کس کو نظر انداز کریں گے اور کس کا حق غصب کریں گے؟ جبکہ ہمارا حال یہاں یہ تھا کہ For all practical

purposes مغربی پاکستان ہی گویا کہ اصل پاکستان ہے۔ رقبہ دیکھئے ترقی کے امکانات دیکھئے! ذرائع و وسائل دیکھئے اور عالم اسلام کے ساتھ متصل ہونا دیکھئے، گویا اصل پاکستان اور Primary Pakistan یہ بنتا ہے۔ اس کے مقابلے میں مشرقی پاکستان تو ایک جزیرہ تھا اس کے ایک طرف برما دوسری طرف بھارت ہے۔ اس کے علاوہ رقبہ محدود تھا اور آبادی بے انتہا۔ یہاں کی آبادی وہاں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

چنانچہ جو قرارداد مقاصد پاس ہوئی تو ساتھ ہی ایک Basic principles committee بنادی گئی کہ اب اس ملک کے لئے جو دستور ہمیں بنانا ہے اس کے بنیادی اصول کیا ہوں گے؟

حیرت کی بات ہے کہ ملک کا دستور ہی نہیں بن رہا تھا۔ بہر حال! ایک بات نوٹ کیجئے کہ مغربی پاکستان میں شامل صوبوں سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کے لوگوں کے درمیان فرق و تفاوت اتنا نہیں ہے، جتنا مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے لوگوں میں تھا۔ وہاں تو سرے سے کوئی قدر مشترک سوائے مذہب کے تھی ہی نہیں۔ زبان لے لیجئے، لباس لے لیجئے، یہاں تک کہ جس شے کا بھی نام لیں وہ ہم سے مختلف ہے۔ یہاں کی عورتوں کے لباس اور وہاں کی عورتوں کے لباس میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ پٹھان اور بلوچی عورت تو ایک بنگالی مسلمان عورت کو ویسے ہی برہنہ سمجھے گی۔ اصل رشتہ اسلام کا تھا، لیکن اس کی ہم نے نفی کی۔

تیسری اور بہت بڑی غلطی ہم سے قومی زبان کے تعین کے ضمن میں ہوئی، جو دراصل دوسری غلطی ہی کا نتیجہ ہے۔ تحریک مسلم لیگ کے دوران تو معاملہ یہ تھا کہ اردو ہی پاکستان کی اور مسلم لیگ کی زبان بھٹہری۔

سکھ کے ساتھ جھگڑا قربانی اور جھکے کا تھا اور ہندو کے ساتھ ہندی اور اردو کا۔ پاکستان بننے کے بعد معلوم ہوا کہ تحریکی کے دور کا جذباتی معاملہ اور اس کی فضا اور ہوتی ہے جبکہ حقائق کچھ اور ہوتے ہیں۔ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو؟ یہ بہت اہم مسئلہ تھا۔ اس وقت اردو کو سرکاری اور قومی زبان کے طور پر ٹھونسنے کی بہت بڑی غلطی کی ذمہ داری ہماری اعلیٰ قیادت کی ہے، مشرقی

پاکستان میں ”ہنگلہ بھاشہ“ کی تحریک اردو کو زبردستی مسلط کرنے کا رد عمل تھا۔ مغربی پاکستان میں بھی سندھی زبان کسی صورت میں بھی اردو زبان کی بالادستی گوارا کرنے کو تیار نہیں تھی۔ یہ حقائق ہیں جن سے کبھی بھی آنکھیں چرانا نہیں چاہئیں اردو کی بالادستی پشتو مان لے گی، پنجابی تو مانے ہی ہوئے ہے، بلکہ پنجاب کی تو زبان ہی اردو ہے۔ سب چیزوں کا جو نتیجہ نکلا اس کے لئے انگریزی زبان کا ایک لفظ Disitusionment کافی ہے۔ یعنی لوگوں کی خوش فہمیاں دور ہونے لگیں اور وہ سوچنے لگے کہ یہ کہاں کا اسلام ہے؟ یہ ملک کس لئے بنا تھا اور ہم کدھر جا رہے ہیں؟ بنگال میں ایک لمبے عرصے تک خواجہ ناظم الدین وزیر اعلیٰ رہے۔ مسلم لیگ کی حکومت یہاں ایک دن کے لئے بھی نہیں بنی، سرحد میں آخری وقت تک کانگریس کی حکومت تھی۔ لے دے کے اگر کوئی تھا تو اس پاکستان میں صرف سندھ تھا جہاں مسلم لیگ کی منسٹری تھی۔ یہی صوبے تو ”پاکستانی اور مسلم لگی“ صوبے تھے۔ ہمارے جو C.S.P. آفیسرز وہاں جاتے تھے ان کا رویہ اور کردار بالکل نو آبادیاتی نظام کی عکاسی کرتا تھا جو اکثر و بیشتر انہیں نفرت کے ساتھ ہی دیکھتے تھے۔ (سی ایس پی افسران کی ٹریننگ اور ملکی ترقی یا تنزل میں ان کا رول مستقل ریسرچ کا موضوع ہے)

چوتھی بڑی غلطی مارشل لاء کا نفاذ ہے۔ گویا جلتی پرتیل کا کام مارشل لاء نے کیا۔ مارشل لاء کا مطلب فوج کی حکومت ہوتا ہے اور فوج صرف مغربی پاکستان کی تھی، مشرقی پاکستان کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا، گویا فوجی حکومت کا مطلب مشرقی پاکستان پر مغربی پاکستان کی حکومت تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ”ہم نے پنجابیوں کا غلام بننے کے لئے پاکستان نہیں بنایا تھا“ ان کی یہ دلیل قوی تھی، جسے آج بھی رد نہیں کیا جاسکتا۔ فوج کی حکومت کیوں آئی؟ یہ اس لئے آئی کہ مسلم لیگ پارٹی نہیں تھی، وہ تو ایک تحریک تھی اور تحریک کا اصول یہی ہوتا ہے کہ ایک دفعہ مقصد حاصل ہو جائے تو پھر ختم ہو جایا کرتی ہے۔ مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریس ایک پارٹی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ طویل عرصہ تک بھارت میں اس کی حکومت رہی ہے۔

اس حقیقت کو بہر حال ماننا پڑے گا کہ مسلم لیگ ایک پارٹی نہ تھی۔ خود قائد اعظم کہتے تھے کہ میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔ اب اس سے بڑی گواہی اور کس کی درکار ہے؟ لہذا

پاکستان بن گیا اور مسلم لیگ تحلیل ہو گئی۔ تھوڑا عرصہ سول بیورو کر لیسی نے عیش کئے اس کے بعد آرمی نے نظم و نسق سنبھال لیا۔ لیکن اس کے نتیجے میں احساس محرومی شدت سے ابھرا۔ اور پھر جو اعداد و شمار آتے تھے ان کی بنیاد پر یہ کہا جانے لگا کہ ہماری کل آمدنی کا اتنا بڑا حصہ فوج پر خرچ ہوتا ہے جبکہ فوج ساری مغربی پاکستان کی ہے، تو مشرقی پاکستان کی حیثیت ہمارے لئے Parasite کی ہے، یہ کھاتے ہیں، کماتے ہم ہیں۔ (۳)

اس ضمن میں پانچویں غلطی دارالحکومت کا کراچی سے اسلام آباد منتقل ہونا تھی، جس نے گویا آخری کیل ٹھونک دی۔ کراچی ایک Consmopotian شہر تھا۔ چنانچہ مشرقی پاکستان کے ساتھ اس کے روابط سمندری اور بحری بھی تھے، لیکن کراچی سے دارالحکومت اسلام آباد منتقل کیا گیا۔ اسی وقت مخلص مشرقی پاکستانیوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ پاکستان کی تقسیم کا نقطہ آغاز ہے۔

مذکورہ بالا غلطیوں کے علاوہ ہماری آخری اور ہمالیہ جیسی غلطی جس نے باقی ساری غلطیوں کے اوپر مہر تصدیق ثبت کر دی وہ ہمارا حقائق کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ ۵۴ء میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مشرقی پاکستان کی فضا بدل چکی ہے۔ لیکن مسئلہ کی اصل حقیقت کو سمجھے بغیر طاقت کا استعمال کرنا ہماری وہ آخری غلطی ہے کہ جس نے سارے معاملے کو اپنے آخری منطقی انجام تک پہنچا دیا۔

۱۔ نظریہ پاکستان سے انحراف کا سب سے المناک قدم وہ ہے جس کی رو سے ہم نے وطنی قومیت کے خلاف لڑکر برصغیر کے مسلمانوں کی علیہ قومیت کا جو مطالبہ تمام دنیا سے منوایا تھا، پاکستان کے لئے اسی نظریے کو اپنانے کا اعلان کر دیا۔ سب سے زیادہ بد قسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ اعلان پاکستان بنانے والے لیڈروں نے خود کیا۔ انہوں نے مسلم اور غیر مسلم دو قومیتوں کے نظریے کو ترک کر کے پاکستانی اور بھارتی دو قومیتوں کے نظریے کو اپنانے کا فیصلہ کر ڈالا۔ اس انقلاب حال کے وطن پر بہت ہی خطرناک نتائج برآمد ہوئے: مثلاً:

الف) مسلم قومیت کے ”نقطہ ماسکہ“ سے دور ہونے کے بعد پاکستانیوں نے صوبائی اور لسانی قومیتوں کے اندر اپنی شناخت کی تلاش شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں

بنگالی، بلوچی، سندھی، پشتو اور بالآخر مہاجر قومیت کے نعروں اور تحریکوں نے پاکستان کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

(ب) برصغیر کے دو کروڑ مسلمان جنہوں نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں شانہ بشانہ کام کیا تھا خود کو بالکل لاوارث سمجھنے لگے اور ہندوؤں کے متعصبانہ اقدامات کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئے۔

(ج) بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کی حفاظت، آزادی اور مسلم ثقافتی ورثہ کی حفاظت سے بے نیازی نے ہماری قوم کی نظروں کے سامنے سے اصل دشمن کو ہٹا دیا اس کے نتیجے میں ہم خود معاشی اور مادی مفادات کے لئے باہم دست و گریباں ہو گئے۔

۲۔ نظریہ پاکستان سے انحراف اور روگردانی کا دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے پاکستان میں اسلامی نظریہ حیات کے فروغ کے لئے کبھی یکسوئی سے کام نہیں کیا۔ اس کے برعکس عوامی دباؤ کے تحت جو قدم بھی اٹھایا گیا اس میں پسپائی (یا بالفاظ دیگر منافقانہ روش) کی گنجائش ہمیشہ رکھی گئی۔ مثلاً:

(الف) اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے اقرار کے ساتھ ساتھ ہم جمہور اور ان کی منتخب کردہ پارلیمنٹ کی بالادستی کا بھی تحفظ کرتے آئے ہیں۔

(ب) کتاب و سنت کے خلاف قانون سازی کی اصولی طور پر مخالفت تسلیم کر لینے کے باوجود آئین میں ایسی گنجائش پیدا کی گئی کہ عملاً پارلیمنٹ ہی بالادست رہی۔

(ج) وفاقی شرعی عدالت قائم کرنے کے باوجود زندگی کے اہم ترین معاملات کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا۔

(د) اسلامی قومیت کا علمبردار ہونے کے دعوے کے باوجود ہماری خارجہ پالیسی یکسوئی کے ساتھ اسلامی قومیت کے نظریہ سے ہم آہنگ نہیں رہی۔ چنانچہ ہم بین الاقوامی سیاست میں اکثر و بیشتر عالمی طاقتوں کا دم چھٹا بنے رہے، انہوں نے بعض مسلم

حکومتوں کو کمزور کرنے کے لئے جو بھی اقدامات کئے ہم ان میں شریک رہے۔
 ہمارا نظام تعلیم اور ہمارے نشریاتی ادارے یکسوئی کے ساتھ کبھی اسلام کے خادم نہ بن سکے، بلکہ ان کے اندر اگر دس فیصد بھی اسلام کی طرف جھکاؤ پیدا ہوا تو نوے فیصد اسلام سے بغاوت کا سلسلہ جاری رہا۔

غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ میں ہمارے تمام اسلامی اقدامات اسی دو عملی کا شکار رہے۔
 زکوٰۃ و عشر کی وصولی کا قانون نافذ کیا گیا، مگر اس کی وصولی اور تقسیم میں متعدد نقص چھوڑ دیئے گئے۔ زکوٰۃ تو وصول کی جاتی ہے عشر وصول نہیں کیا جاتا۔ منتخب نمائندوں کے لئے اسلامی صفات کی موجودگی کی شرائط عائد کی گئیں، لیکن ان شرائط پر پورے نہ اترنے والوں کی رکنیت کو ختم کرنے کے لئے کوئی مؤثر طریقہ نہ اپنایا گیا۔
 ہمارا عمل یہ رہا ہے کہ

ایمان مجھے کھینچے ہے تو روکے ہے مجھے کفر

گویا کعبہ کو ہم نے محض دکھا دے کے لئے آگے تو کر رکھا ہے مگر کلیسا کی طاقتور زنجیریں اس راہ پر ہمیں آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہیں۔

۳۔ نظریہ پاکستان کے ساتھ ہماری منافقانہ روش نے ہماری نئی نسل کو اسلام سے منحرف کر دیا اور ملک کو قومیتوں کے فساد اور فرقہ واریت کی آماجگاہ بنا دیا۔ جس کے نتیجے میں ہمارا ملک آج دنیا کے ترقی پذیر ممالک کی صف آخر میں اپنا مقام تلاش کرنے میں لگا ہوا ہے گدائی کشنول ہاتھ میں دشمن سینہ پر سوار ہے۔

اس موقع پر یہ بچا کچھا پاکستان بھی بالکل اس طور پر بچا تھا جس طرح کبھی کسی انسان کے بالکل برابر سے کوئی تیز کار یا ٹرک زنائے کے ساتھ اس طرح گزر جائے کہ موت اور زندگی میں بال بھر کا فاصلہ رہ جائے اور انسان یہ محسوس کرے کہ جیسے فی الواقع اسے کسی نادیدہ ہاتھ نے ایک طرف دھکیل کر بچایا ہے۔

۱۹۸۳ء کے دوران اندرون سندھ کے ہنگامے اپنی وسعت و شدت اور تیزی و تندگی

ہر اعتبار سے اکثر لوگوں کے نزدیک حیران کن اور تعجب خیز تھے، اس وقت اگر براہ راست مداخلت نہ سہی ذرا سی مدد بھی بھارت کی جانب سے ہنگامہ کرنے والوں کو مل جاتی تو پاکستان کا وجود شدید خطرے میں پڑ جاتا۔

اس لئے کہ پاکستان کا وہ علاقہ جو ہنگاموں سے متاثر تھا، بالخصوص میرپور ماٹیلو سے خیرپور میرس تک کی پٹی پاکستان کے جسم کے نرم و نازک پیٹ، Soft Underbelly کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس علاقے میں اگر دو چار جگہوں پر ریلوے لائن اور ہائی وے کو کاٹ دیا جاتا تو گویا پاکستان کی شرگ Life Line کٹ کر رہ جاتی۔ چنانچہ اُن ہنگاموں کے دوران اس کی خبریں تو متعدد بار آئیں کہ گھونگی ریلوے اسٹیشن کو جلانے کے علاوہ متعدد مقامات پر ریل کی پٹریوں کو اکھاڑنے اور سیلپروں کو جلانے کی کوشش کی گئی، لیکن کہیں سے اس کی اطلاع نہیں ملی کہ ریلوے لائن کو ڈائنامائٹ سے اڑانے کی سعی کی گئی ہو۔

گویا وہاں جو کچھ ہوا خالص دیسی یا ”خانہ زاد“ Indigenous وسائل سے ہوا، بیرونی مداخلت یا امداد بظاہر موجود نہیں تھی۔ گویا مسز اندرا گاندھی صرف یہ انتظار ہی کرتی رہ گئیں کہ ہنگامے ذرا اور پھیل جائیں اور مداخلت کا واضح جواز پیدا ہوئے تو اقدام کیا جائے۔ اور ادھر پاکستان کی فوج اور دوسرے دفاعی و حفاظتی اداروں نے ہنگاموں پر قابو پایا، بعد میں وہ اپنی اس ’چوک‘ کی تلافی کے لئے ابھی کسی بھرپور اقدام کی اسکیم بنا ہی رہی تھیں کہ خود اُن کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔

الغرض! نہ پاکستان کا قیام حالات و واقعات کی معمول کے مطابق پیش رفت کا نتیجہ تھا نہ اس بچے کچھے پاکستان کا اب تک قائم رہنا کسی عام حساب و کتاب کے مطابق ہے بلکہ اصل پاکستان کا ظہور و قیام بھی ایک ”معجزہ“ تھا اور موجودہ پاکستان کی تاحال حفاظت و صیانت بھی اسباب و علل کے عام سلسلے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی خصوصی تدبیر و تصرف ہی کی مرہون منت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مستقل سنت ہے:

لئن شکرتم لازید نکم ولئن کفرتم ان عذابى

(۴) لشدید

اگر تم ہمارے (انعامات پر) قدر شناسی اور احسان مندی کی روش اختیار کرو گے تو ہم تمہیں مزید نوازیں گے، اور اگر تم نے ناقدری اور کفرانِ نعمت کا رویہ اختیار کیا تو (جان لو کہ) ہماری سزا بھی بہت سخت ہوتی ہے۔

مسلمانانِ پاکستان بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑے سخت امتحان اور کڑی آزمائش سے دوچار ہیں اور ہر حساب و کتاب سے ماوراء اور بڑی سے بڑی توقعات سے بھی بڑھ کر جو احسانِ عظیم قدرت نے کیا تھا اس کی ناقدری و ناشکری اور صریح وعدہ خلافی پر سزا کا ایک بہت سخت کوڑا مشرقی پاکستان کے سقوط اور انتہائی ذلت آمیز شکست کی صورت میں ہماری پیٹھ پر پڑ چکا ہے۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس قانون کا مظہر ہے کہ:

وَلَنذِيقْنَهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْاٰدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ

لعلہم یرجعون (۵)

ہم انہیں (آخری اور) بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے شاید کہ یہ (اپنی روش سے) باز آجائیں۔

یہ درست ہے کہ ۱۹۷۱ء میں ہمیں قیامِ پاکستان کے اصل مقصد سے انحراف اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کی خلاف ورزی کی سزا بھی بھر پور ملی اور بھارت کے ہاتھوں ایک ذلت آمیز شکست کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے مشرقی بازو کی علیحدگی کا صدمہ بھی جھیلنا پڑا لیکن اس موقع پر بھی مغربی پاکستان کا بیج جانا خالص آسمانی تدبیر کے ذریعے ہوا۔

ورنہ جائزہ لیجئے! کہ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد بھارت کا مورال کس طرح ایک دم آسمان پر پہنچ گیا تھا، جبکہ ہمارا مورال، اسفل سافلین، کے مصداق پاتال میں پہنچ گیا تھا ہمارے ایک لاکھ کے لگ بھگ جوان اور آفیسر بھارت کے اسیر ہو چکے تھے اور ہمارا اکثر تعداد میں اسلحہ اور دوسرا جنگی ساز و سامان بھارت کے قبضہ میں جا چکا تھا، اور بھارت مشرقی محاذ سے فارغ ہو کر اپنی پوری عسکری قوت کو کامل یکسوئی کے ساتھ مغربی محاذ پر جھونک سکتا تھا۔ ادھر ہمارا حال یہ تھا کہ

ایئر فورس تقریباً مفلوج ہو چکی تھی، نیوی لنگر انداز تھی اور کیناڑی کی بندرگاہ دشمن کی دست برد سے محفوظ نہ رہی تھی۔ رہے میدانی محاذ! تو دو محاذوں پر بھارت کی پیش قدمی جاری تھی یعنی راجستھان میں بھی اور سیالکوٹ کی جانب بھی۔ لے دے کر صرف ایک سلیمانی سیکڑ تھا جس میں ہماری فورس برقرار Intact تھی، ان حالات میں محتاط ترین اندازے کے مطابق مغربی پاکستان بھارت کے لئے زیادہ سے زیادہ چھ دن کی بات تھی۔

استحکام کی بنیاد آزادی ہے

گویا ہم آزادی کے بعد غلامی سے صرف چھ یوم کے فاصلہ پر رہ گئے تھے۔ آزادی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک گراں قدر نعمت ہے، مگر اسے محفوظ اور مفید بنانے کے لئے کچھ پابندیوں کی ضرورت ہے جن کی نوعیت ایمانی اور اخلاقی ہے۔ آزادی کی ضد غلامی ہے جو ہر حال میں ناپسندیدہ ہے۔ مگر ذہنی غلامی اس کی بدترین صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزاد اور فطرت سلیمہ کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اسلام بنی نوع انسان کو ہر نوع کی غلامی سے چھٹکارا دلا کر ایک خدائے واحد کی بندگی میں لانا چاہتا ہے:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری
آزادی ہر انسان کا ایک فطری حق ہے جو اجتماعی سطح پر کسی قوم یا ملت کا حق بن جاتا ہے۔ اقوام و ملل نے آزادی کے حصول کے لئے بہت طویل اور صبر آزما جدوجہد کی ہے۔ آزادی کا حصول ایک مرحلہ مگر اس کی حفاظت کے تقاضے اور مطالبات اس کے علاوہ ہیں۔ غلامی میں شرف آدمیت ختم ہو جاتا ہے اور تکریم انسانیت کی اقدار دم توڑ دیتی ہیں۔ آزادی کی پاسداری کے لئے حریت فکر اور حیثیت قومی ہر دور کی یکساں ضرورت ہوتی ہے۔

اپنی آزادی کے حصول کے لئے دوسروں کی آزادی کو سلب کرنا ایک تاریخی جرم ہے جس کا ارتکاب سرخ روس ہو یا سفید امریکہ، دونوں سے سرزد ہوا ہے۔ روس نے اپنے فکری انقلاب کے لئے لاکھوں مقامی باشندوں کو قتل و غارت کا سامان بنایا اور طویل قید و بند کی صعوبتوں

سے دو چار کیا۔ اسی طرح سفید سماراج نے امریکہ میں ریڈانڈیز کے ساتھ جو سلوک روا رکھا اس کا ذکر کرتے ہوئے سر شرمندگی سے جھک جاتا ہے۔ امریکہ نے اپنی تعمیر کے لئے جس تعداد اور رفتار سے افریقی باشندوں کو غلامی کا جوا پہنایا، یہ تاریخ انسانی کے ماتھے پر ایک بد نما داغ ہے۔ انہیں جس ظلم کے ساتھ بحری جہازوں میں بھر بھر کے لایا جاتا تھا اور جس طرح سے ان کی خرید و فروخت کی جاتی تھی، اس کے تذکرے آج بھی ساحل افریقہ پر سنے جاسکتے ہیں۔ استعماری طاقتوں کے استبدادی، ہتھکنڈوں نے صدیوں تک بعض اقوام کو غلام بنائے رکھا اور ان کے وسائل کا جس بے دردی کے ساتھ استحصال کیا، اس کا ریکارڈ تاریخ کا سیاہ باب ہے۔ ان مجبور اور مظلوم اقوام نے اپنی سیاسی اور فطری آزادی کے حصول کے لئے اس راز کو سمجھ لیا تھا:

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی بیسویں صدی عیسوی کا طلوع اقوام عالم کے لئے غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کا دور تھا۔ مشرق و مغرب میں قوموں کی آزادی کے لئے مضبوط اور توانا آوازیں اٹھائی گئیں۔ اجتماعی جدوجہد کی بہت سی تحریکیں اور تنظیمیں وجود میں آئیں ایک طویل اور جاں گسل کشمکش کے بعد انہوں نے آزادی کی نعمت کو حاصل کیا۔ اس سلسلے میں ایشیائی اور افریقی اقوام کو سب سے زیادہ مصائب اور اذیتوں کا شکار ہونا پڑا۔ بنیادی انسانی حقوق کا دکھڑا رونے والی تہذیبوں کو کبھی اپنے ماضی کے کردار پر نگاہ دوڑانا چاہئے کہ کس بڑے پیمانے پر انہوں نے اقوام عالم کی آزادی اور حقوق کو کچلنے اور ننگنے کی کوشش کی ہے۔ زمانہ حال میں بھی ان کا کردار پاکستان، عراق، افغانستان، چین، کشمیر، فلسطین اور جارجیا وغیرہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند بھی دنیا کے نقشے پر ان علاقوں میں شمار ہوتا ہے، جس کی آزادی کو پامال کرنے کے لئے سات سمندر پار سے سفید فام برطانوی تاجروں کے روپ میں یہاں داخل ہوئے اور اس سونے کی چڑیا کو ہضم کرنے کے لئے مغل حکومت کے اقتدار کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے بالآخر انہیں تاج و تخت سے محروم کر دیا۔

اسلام حریت و آزادی کا پیغام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے نام لیواؤں نے ہمیشہ

سے اپنی آزادی کی حفاظت خون دے کر کی ہے۔ برطانوی استبداد کے خلاف ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون اور شاملی کے میدانوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حافظ ضامن شہید وغیرہ کی تحریک مجاہدین نے ایک منظم جہاد کیا۔ پنجاب میں سکھوں کی عمل داری قائم تھی، جو مسلمانوں کے دینی اور مذہبی حقوق کو نگل رہی تھی۔ اس کے خلاف ۱۸۳۱ء میں بالا کوٹ میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی قیادت میں ایک بڑا معرکہ چاہوا جس میں خون شہیداں کام آیا۔ اس معرکہ نے ملت اسلامیہ میں بیداری کی عام لہر پیدا کر دی۔ جس کے نتیجہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہوئی، حریت کے علمبردار میسور کے شیر دل حکمران سلطان فتح علی ٹیپو نے شجاعت اور بہادری کی روایات کو برقرار رکھا۔

۱۸۵۷ء کے مجاہدین کو باغی قرار دے کر ان پر مقدمات چلائے گئے۔ انہیں جس دوام بے جو رو ریائے شوریٰ سزائیں سنائی گئیں، جس کے نتیجے میں مجاہدین جزائر انڈیمان میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مولانا حسین احمد مدنی مولانا عزیز گل و دیگر علماء کو مالٹا میں قید کر دیا گیا۔ مگر آزادی و حریت کا چراغ ان کی شہادتوں اور قربانیوں کے روغن سے مستقلاً روشن رہا۔

برصغیر میں انیسویں صدی کے ربح آخراور بیسویں صدی کے ربح اوّل میں پے درپے ایسی شخصیات پیدا ہوئیں جن کے افکار و اعمال سے بیداری کی نئی لہریں پیدا ہوئیں۔ خالص دینی سطح پر مدارس دینیہ کا ایک جال پھیل گیا جن میں مختلف حضرات نے اپنے اخلاص و عمل سے دینی اور شرعی روایات کو علمی، تدریسی اور عملی سطح پر برقرار رکھا۔ اسی دور میں قدرت نے علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) جیسی شخصیت کو پیدا کیا۔ جس نے فرمایا:

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری
تو اے مولائے بیثرب آپ میری چارہ سازی کر مری دانش ہے افروگی، مرا ایماں ہے زناری
علامہ محمد اقبال اگرچہ خود مغربی نظام تعلیم کے پروردہ تھے اور انہیں مشرق و مغرب کی

بہترین علمی درس گاہوں سے استفادہ کے مواقع ملے، مگر قیام انگلستان (۱۹۰۵ء-۱۹۰۸ء) کے دوران ان کی سیاسی فکر میں ایک واضح تبدیلی پیدا ہوئی۔ ہندو مسلم اتحاد کے ترانے لکھنے والے شاعر نے اب ملت اسلامیہ کو خواب گراں سے بیدار کرنے کا داعیہ اختیار کیا انہیں ایک مستقل اور مخصوص جمعیت میں ڈھلنے کا سبق یوں دیا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انھما قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی
اقبال تو ۱۹۳۸ء میں راہی ملک عدم ہوئے مگر مسلم لیگ کے قیام کے ۳۴ سال بعد
لاہور کے مقام پر قرارداد پاکستان نے اقبال کے خواب کو ایک روشن تعبیر عطا کر دی پھر سات سال
کے قلیل عرصے میں بیسویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا سیاسی معجزہ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کی
صورت میں رونما ہوا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر مسلمانوں کی سب سے بڑی ریاست کی
حیثیت سے وجود میں آیا۔ مگر بہت جلد قائد اعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خان، علامہ شبیر احمد عثمانی
اور علامہ سید سلیمان ندوی جیسی بے لوث اور بیدار مغز قیادت سے محروم ہو گیا۔

آئین پاکستان کے سلسلے میں قائد اعظم کا نظریہ بہت واضح ہے۔ وہ ایک اسلامی،
جمہوری اور فلاحی ریاست کا آئین بنانا چاہتے تھے، پروفیسر عبدالجبار شاہ لکھتے ہیں: آئین کے
حوالے سے ان کی متعدد تقاریر ریکارڈ پر موجود ہیں۔ مجھے یہاں ان کی ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی
ایسوسی ایشن کے ایک استقبالیہ میں کی جانے والی تقریر کے چند اقتباسات پیش کرنا ہیں۔ مکمل
خطاب ان کے مجموعہ ہائے تقاریر میں دیکھا اور پڑھا جاسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

کون کہتا ہے پاکستان کے دستور کی بنیاد شریعت پر نہیں ہوگی؟ جو لوگ ایسا
کہتے ہیں، وہ مفسد ہیں۔ ہماری زندگی میں آج بھی اسلامی اصولوں پر اسی

طرح عمل ہوتا ہے جیسا کہ تیرہ سو سال پہلے تھا۔ اسلام نے جمہوریت دکھائی ہے، مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے۔ لہذا اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے ہم ہر ایک کے ساتھ انصاف کر سکیں گے۔

اسلام صرف چند رسوم، روایات اور مذہبی اصولوں کا نام نہیں بلکہ مسلمانوں کے سیاسی، اقتصادی و دیگر مسائل کی رہبری کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کی بنیاد صرف ایک اللہ پر ہے۔ انسان انسان میں کوئی فرق نہیں مساوات، آزادی اور بھائی چارہ اسلام کے مخصوص اصول ہیں۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ ایک عزم کے ساتھ متحد ہو کر نہ چلے۔ ہم سب پاکستانی ہیں اور مملکت کے لئے ہم سب کو مل کر کام کرنا ہے، قربانیاں دینی ہیں اور وقت پڑے تو جان بھی دے دینا ہے، یہاں تک کہ پاکستان ایک عظیم مملکت نہ بن جائے۔

آئین پاکستان کی حقیقی روح ”قرارداد مقاصد“ میں موجود ہے۔ اس موقع پر اگر مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا ظفر احمد انصاری جیسے بالغ نظر اکابر نہ ہوتے تو یہ آئینی ڈھانچہ پہلے قدم پر ہی ایک حادثے سے دوچار ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے قرارداد مقاصد ایک دستوری اساس کے طور پر مابعد کے تمام دستوری خاکوں کا ایک مستقل حصہ رہی۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں بالآخر یہ ایک مستقل دستوری ضابطے کی شکل اختیار کر گئی۔

پاکستان کو بنے ہوئے ۶۲ سال گزر چکے ہیں۔ یہ عرصہ کسی ملک و قوم کی ترقی کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ان عشروں میں دنیا کے درجنوں ممالک نے حیرت انگیز ترقی کی ہے، پاکستان میں ہر نوع کی ترقی کے تمام تر اسباب اور امکانات موجود تھے اور ہیں تو پھر ہم ترقی کی فطری رفتار اور تدریج سے کیوں محروم رہے۔ ایک ایسا سوال ہے جس کی چھین ہر ذی شعور مسلمان اور پاکستانی محسوس کرتا ہے:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
اس تجزیے سے مقصد کوئی مایوسی پیدا کرنا نہیں کیونکہ مایوسی تو گناہ اور کفر ہے۔ اسلام تو
امید اور عزم کا دین ہے۔ آئیے علامہ اقبال کی نظم ”خضر راہ“ کے اس بند سے اپنے لئے ہمت اور
قوت کا خزانہ حاصل کریں:

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
خرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے مرا عشق، میری نظر بخش دے

امریکی غلامی اور ہماری ذمہ داری

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے
کروڑوں کے اس ملک میں وہ نفوس شاید انگلیوں پر شمار کئے جاسکیں جو عالمی سیاست
میں امریکا کو خیر کی علامت سمجھتے ہوں یا جو یہ گمان کرتے ہوں کہ اس کے توسیع پسند نہ اعمال
کے لئے ظلم کے علاوہ کسی دوسری تعبیر کے لئے گنجائش موجود ہے۔

آج ضرورت ہے کہ قوم کو اس خوف اور مرعوبیت سے نکالا جائے۔ اس کے لئے
لازمی ہے کہ متفرق واقعات کو ایک منظم تاریخی شعور کے ساتھ دیکھا جائے۔ اس دنیا میں کوئی واقعہ
اپنی انفرادی حیثیت میں ظہور پذیر نہیں ہوتا اگر ہم ایک نظام فکر کے تحت سوچنے کی عادت ڈال سکیں
تو حالات کا فہم آسان ہو جائے گا۔ امریکا کے معاملے کو بھی اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

امریکا آج جو کچھ کر رہا ہے پہلے بعض بادشاہ کرتے آئے ہیں۔ ماضی میں برطانیہ
روس اور جرمنی اسی پر عمل پیرا تھے۔ دنیا کو مسخر کرنے اور اپنے اقتدار کو توسیع دینے کا سودا ان کے
دماغ میں بھی سمایا ہوا تھا۔ امریکی مظالم کے لئے جو ترکیب استعمال کی جا رہی ہیں ان سب کا
اطلاق ماضی کی ریاستوں پر ہوتا ہے اور بادشاہوں پر بھی۔ آج عامۃ الناس کو یہ بتانے کی ضرورت

ہے کہ امریکی رویے میں کوئی نیا پین نہیں ہے۔ اگر اقتدار بادشاہوں یا روس اور برطانیہ کا نہیں رہا تو امریکا کا بھی نہیں رہے گا۔ مزید یہ کہ عالمی منظر نامے پر ایک قوت کے طور پر ابھرنے کا اصول ہمیشہ ایک رہا ہے۔ قدرت کسی کے ساتھ امتیازی رویہ کبھی اختیار نہیں کرتی۔ انگریزوں، پرتگالیوں اور امریکیوں، سب کے ساتھ اس نے ایک طرح سے معاملہ کیا ہے۔ عالمی سیاسی جنگیں اصلاً غلبے کے لئے ہوتی ہیں، جن میں غالب کا مذہب اہم ہوتا ہے نہ کہ مغلوب کا۔ یہ صحیح ہے کہ غلبے کے لئے متحرک قوتیں ہر اس عامل کو اپنے حق میں استعمال کرتی ہیں، جن سے انہیں فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ان میں ایک عامل مذہب بھی ہے۔

عیسائی مذہبی راہنماؤں نے مغربی ممالک کو مسلمانوں کے خلاف متحد کرنے کے لئے اہل مغرب کے مذہبی جذبات کو استعمال کیا جو عیسائی تھے۔ یہ تاریخ کا غیر متنازعہ باب ہے کہ یہودی مسلمانوں کے اقتدار میں زیادہ محفوظ تھے اور عیسائی مغرب نے ان کے لئے زندگی عذاب بنادی تھی۔ دونوں عظیم جنگوں میں عیسائی عیسائیوں سے لڑتے رہے۔ سرد جنگ کے دنوں میں امریکہ نے اشتراکیت کے خلاف عیسائیت اور اسلام دونوں کو استعمال کیا۔ افغانستان میں اسے اسلام کے تصور جہاد میں اپنا فائدہ دکھائی دیا، تو امریکی جرنیل یہاں آ کر اللہ اکبر کے نعرے لگاتے رہے۔ آج ہمیں مسلمانوں کے خلاف عیسائی اور یہودی دونوں متحد نظر آتے ہیں۔

آج اسرائیل کے علاوہ دنیا کا کوئی کمزور یا طاقت ور ملک ایسا نہیں جو امریکا سے خوش ہو، لیکن ہمارے سوا کسی نے تصادم یا محاذ آرائی کا خیر مقدم نہیں کیا۔

جس میں نہ ہوا انقلاب موت ہے وہ زندگی روح امم کی حیات کشمکش انقلاب جاپان سے بڑھ کر امریکا کا زخم خوردہ کون ہوگا۔ چین کو جس طرح ہانگ کانگ، تائیوان اور تبت میں الجھایا گیا، ہم پر واضح ہے۔ عراق پر حملہ کرتے وقت اس نے عالمی برادری کو یکسر نظر انداز کیا، ظاہر ہے اس سے کوئی خوش نہیں ہوا۔ جار جیا کے قضیہ نے واضح کر دیا ہے کہ آج بھی روس کے بارے میں امریکی جذبات کیا ہیں۔

اگر ہم امریکا کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں دوسرے ممالک کے رویے پر نظر ڈالیں تو ہمیں دور جحانات ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ تمام ممالک جائز شکایات کے باوجود امریکہ کے ساتھ تصادم سے گریز کرتے ہیں۔ اپنی جغرافیائی حیثیت اور قدرتی وسائل کے اعتبار سے مسلمان سب سے زیادہ یہ صلاحیت رکھتے تھے کہ امریکا ان سے بنا کر رکھتا۔ بد قسمتی سے مسلمان رہنماؤں نے نجدہ ریزی اختیار کی اپنی قدر و قیمت کو نہ سمجھ سکے۔

آج مختلف سروے یہ بتاتے ہیں کہ امریکا مخالف جذبات دنیا میں ہر جگہ بڑھ رہے ہیں، کہیں مظاہرے، کہیں حملے اور کہیں جوتے مارے جا رہے ہیں، لیکن تصادم کی راہ صرف مسلمانوں نے اختیار کی ہے۔ یہ تو روس میں بھی نہیں ہوا کہ غیر حکومتی مسلح گروہ منظم ہوتے اور امریکا کو اس جرم کی سزا دینے نکل پڑتے کہ وہ سوویت یونین کے خاتمے کا ذمہ دار ہے۔ اگر یہ مسلمان معاشروں میں ہوا ہے تو تاریخی اسباب کے علاوہ اس کی ایک وجہ اسلام کی تعلیمات ہیں، اور یہ تعلیمات زیادہ بہتر انداز میں مذہبی اداروں میں دی جا رہی ہے۔

امریکہ کی بنیادی غلطی یہ ہے اس نے اپنی عالمی حیثیت کے دفاع کے لئے مادی قوت کو کافی سمجھا اور اخلاقیات کو سرے سے نظر انداز کیا۔ اب اس کے لئے یہ ممکن نہیں رہا کہ وہ اپنی اس حیثیت کو تادیر برقرار رکھ سکے۔ اس کا ادراک امریکا کے اہل دانش کو ہونے لگا ہے۔ اب فوکو یاما اور فریڈ زکریا جیسے لکھنے والے امریکا کا زوال Fall of America جیسے موضوعات پر قلم اٹھانے لگے ہیں۔ قوموں کا عروج و زوال محض دنوں کا معاملہ نہیں ہوتا۔ بعد از امریکا دنیا ظاہر ہے کل پرسوں پر وجود میں آنے والی نہیں۔ لیکن چونکہ یہ نوشتہ دیوار ہے، اس لئے ابھی سے اس کے لئے سوچ بچار کا آغاز ہو گیا ہے کہ امریکا کس طرح بدلتے حالات میں ممکنہ حد تک اپنی جزوی برتری برقرار رکھا سکتا ہے۔

امریکا اگر اپنی اس حیثیت سے محروم ہوتا ہے تو اس کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ مسلمانوں کی مشکلات ختم ہو جائیں گی، نئی ابھرنے والی قوت بھی کم و بیش اسی طرح ہوگی۔ کمیونسٹوں کے

مظالم ابھی تک لوگوں کی یادداشت سے مخوف نہیں ہوئے۔ طاقت کی زبان ہمیشہ ایک رہی ہے۔ مسلمانوں کے دکھ اسی وقت ختم ہوں گے جب وہ قانون قدرت کے تحت خود کو اس کا مستحق ثابت کر دیں گے۔

خورشید صاحب کی یہ رائے ہے امریکا کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے وقت جب یہ سب پہلو سامنے رہیں گے تو اس سے جہاں حقیقت پسندی پیدا ہوگی وہاں امید بھی برقرار رہے گی۔ یہ دونوں مثبت انسانی اقدار ہیں۔ کہ لوگوں کو تصادم کے بجائے تعمیر کا پیغام دیا جائے۔ انہیں انتقام کے بجائے مثبت جدوجہد پر آمادہ کیا جائے۔ یہ وہ راستہ ہے جس میں فتح یقینی ہے اور انسان کی پوری تاریخ اس کی گواہ ہے۔ جب قومیں تعمیر کی ٹھان لیں تو پھر فطرت کے تمام قوانین ان کی نصرت پر آمادہ ہوتے ہیں۔ رائے سازوں کا انداز فکر بدلتا تو انشاء اللہ قوم کی سوچ بھی بدلے گی۔ (۶)

تو راز کن نکال ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجمان ہو جا! ہوس نے کر دیا ہے نکلے نکلے سے نوع انساں کو اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا یہ ہندی، وہ خراسانی، یہ افغانی وہ تورانی تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے تو اے مرغ حرم اُڑنے سے پہلے پر نشاں ہو جا

استحکام پاکستان کے تقاضے

ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں: اس پس منظر میں ہر صاحب فہم و شعور انسان لامحالہ اسی نتیجے تک پہنچے گا کہ ملک و ملت کے استحکام ہی نہیں بقا تک کے لئے حسب ذیل چیزیں ناگزیر اور لازمی ہیں:

۱۔ ایک ایسا طاقتور انسانی جذبہ جو جملہ حیوانی جہتوں پر غالب آجائے اور قوم کے افراد میں کسی مقصد کے لئے تن من و دھن لگا دینے حتیٰ کہ جان تک قربان کر دینے کا مضبوط ارادہ اور قومی داعیہ پیدا کر دے۔

۲۔ ایک ایسا ہمہ گیر نظریہ جو افراد قوم کو ایسے مضبوط ذہنی و فکری رشتے میں منسلک کر کے بنیاد پر مرصوص بنادے جو رنگ، نسل، زبان اور زمین کے تمام رشتوں پر حاوی ہو جائے اور اس طرح قومی یک جہتی اور ہم آہنگی کا ضامن بن جائے۔

۳۔ عام انسانی سطح پر اخلاق کی تعمیر جو صداقت، امانت، دیانت اور ایفاء عہد کی اساسات کو از سر نو مضبوط کر دے اور قومی و ملی زندگی کو رشوت، خیانت، ملاوٹ، جھوٹ، فریب، نا انصافی، جانبداری، ناجائز اقربا پروری اور وعدہ خلافی جیسی تباہ کن برائیوں سے پاک کر دے۔

۴۔ ایک ایسا نظام عدل اجتماعی System of Social Justice جو مرد اور عورت، فرد اور ریاست، سرمایہ اور محنت کے مابین عدل و اعتدال اور قسط و انصاف، اور فی الجملہ حقوق و فرائض کا صحیح و حسین توازن پیدا کر دے۔

۵۔ ایسی مخلص قیادت جس کے اپنے قول و فعل میں تضاد نظر نہ آئے اور جس کے خلوص و اخلاص پر عوام اعتماد کر سکیں۔

تحریک پاکستان کے تاریخی اور واقعاتی پس منظر، اور پاکستان میں بسنے والوں کی عظیم اکثریت کی فکری و جذباتی ساخت، دونوں کے اعتبار سے یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس ملک میں یہ تمام تقاضے صرف اور صرف دین و مذہب کے ذریعے اسلام کے حوالے سے پورے کئے جاسکتے ہیں، علامہ اقبال مرحوم کے حسب ذیل اشعار ملت اسلامیہ پاکستان کے ضمن میں صد فیصد درست اور کمال صداقت و حقانیت کے مظہر ہیں کہ:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں؟ اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی!
مرزا غالب کے اس شعر کے مصداق ہے کہ:

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم میرا سلام کہو اگر نامہ بر ملے! ہمیں اس مرحلے پر ان لوگوں سے تو کچھ نہیں کہنا جو کسی حقیقی و واقعی یا مزمومہ و موبہ ظلم اور زیادتی کے ردِ عمل کے طور پر پاکستان کو توڑنے کے درپے ہو گئے ہیں یا کسی سبب سے اس نتیجے پر پہنچ چکے ہوں کہ:

مری تعمیر میں مضر تھی اک صورت خرابی کی

کے مصداق پاکستان معرض وجود میں آنا ہی غلط تھا۔ لہذا اسے بالفعل یا بالقوہ معدوم کر دینا ہی مناسب ہے۔ ایسے لوگوں سے گفتگو کا صغریٰ کبریٰ ظاہر ہے کہ مختلف ہوگا۔ سر دست اُن سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم ان تمام لوگوں کو جو پاکستان کی بقا اور سالمیت کے دل سے خواہشمند ہیں دعوت دیتے ہیں کہ پوری دیانت داری کے ساتھ امکانی حد تک غور کریں۔ اور اس ضمن میں حسب ذیل حقائق روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں:

۱۔ تحریک پاکستان سے قطع نظر کہ اس کا تو نعرہ ہی یہ تھا کہ: پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ پاکستان کی لگ بھگ ۶۲ سالہ تاریخ کے دوران واقعہ یہ ہے کہ جو بھی عوامی تحریک اُٹھی صرف اور صرف دین و مذہب کے حوالے سے اُٹھی! ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی ختم نبوت کی تحریکیں تو اس کی ”خالص“ مثالیں ہیں ہی، ۷۱-۷۰ء کی بھٹو صاحب کی عوامی تحریک کو بھی فی الواقع، عوامی، بننے کے لئے سوشلزم کو مشرف بہ اسلام کرنا پڑا تھا، اور خالص مساوات کے بجائے ”مساوات محمدی ﷺ“ کی اصطلاح استعمال کرنی پڑی تھی، جس کا شکوہ اُن کے بعض سابق رفقاء کار کو رہا ہے، پھر ۱۹۷۷ء کی پاکستان قومی اتحاد P.N.A کی تحریک بھی جو ابتداً خالص سیاسی اور جمہوری تھی، عوامی تب ہی بنی تھی جب اُس نے ”تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ“ کا عنوان اختیار کر لیا تھا۔

اس ضمن میں اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مارشل لاء نے اپنے دور میں اس جذبے کو مضحک کرنے اور اس تلوار کو کند کرنے یا عوامی زبان میں اس غبارے کی ہوا نکالنے میں

خطر خواہ کامیابی حاصل کی ہے لیکن اب بھی یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ پاکستان میں کوئی منفی اور

يُخْرَبُونَ بَيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ. (۷)

اپنے گھر کو اپنے ہاتھوں سے ڈھاتے ہیں۔

کے مصداق تخریبی تحریک تو کسی دوسری اساس پر اٹھ سکتی ہے لیکن پاکستان کی سالمیت کو بطور اصول موضوعہ تسلیم کرنے والی مثبت تعمیری تحریک سوائے مذہبی جذبے کے اور کسی بنیاد پر نہیں اٹھ سکتی۔

یہی معاملہ نظریہ کا ہے کہ پاکستان میں بسنے والوں کی عظیم اکثریت کو ایک بنیان مخصوص بنانے کی صلاحیت رکھنے والا نظریہ صرف اور صرف ایمان ہے اس لئے کہ رشتہ اخوت ایمانی ہی ہے جو رنگ، نسل، زبان اور زمین کے تمام رشتوں سے بالاتر ہو کر پاکستان کے مسلمانوں کو ایک قوم ہی نہیں، ایک امت بلکہ ایک حزب (پارٹی) بنا سکتا ہے اور پاکستان میں قومی یک جہتی اور ہم آہنگی کا ضامن بن سکتا ہے۔ یہاں کوئی نسلی یا لسانی عصبیت ایسی موجود ہی نہیں جو کل پاکستان سطح پر بروئے کار آ سکے۔

یہاں یہ وضاحت بھی نامناسب نہ ہوگی کہ الحمد للہ کہ پاکستانی قوم عمل کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی تہی دامن اور کوتاہ دست کیوں نہ ہو، اسی طرح فقہی جزئیات میں اُن کے مابین خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو جہاں تک اساسی نظریے یعنی ایمان کا تعلق ہے اس کے ضمن میں اختلاف بھی نہ ہونے کے برابر ہے اور خصوصاً اس کے منبع و سرچشمہ یعنی قرآن کریم کے متن کے ضمن میں تو سرے سے اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ (۸)

جنگی تیاری اور طاقت کا حصول: سانحہ بمبئی کے بعد امریکہ و افغانستان کی طرح بھارت بھی ہماری چھاتی پر سوار ہو گیا ہے۔ الدعوة نامی تبلیغی و رفاہی تنظیم کے دفاتر سیل کر دیئے گئے ہیں، الرشید اور الاختر پر پابندی کا اعلان کیا جا رہا ہے، ہندوستان فضائی و زمینی حملہ کی دھمکی دے رہا ہے، ان حالات میں استحکام پاکستان کے لئے قرآن کریم نے دشمن کے مقابلہ اور دفاعی و حفاظتی

انتظامات کے لئے قوت اور طاقت کے حصول کو ضروری قرار دیا ہے۔ ارشادِ بانی ہے:

واعدو الہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط النخیل

ترہبون بہ عدا اللہ و عداکم (۹)

اور ان کے لئے جو قوت بھی تمہاری استطاعت میں ہو تیار رکھو اور

سرحدوں کی حفاظت کے لئے گھوڑ سواروں کے دستے جس سے تم اللہ

تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراسکو۔

اس آیت میں ”قوة“ کا لفظ ہر قسم کی طاقت اور جنگی مہارت کے حصول پر دلالت کرتا

ہے۔ انہی ارشادات پر عمل کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فنونِ حرب کو ترقی دی اور اپنے دور

کے اہم ترین جدید ہتھیار استعمال کئے۔ اس دور کے جدید ہتھیاروں میں سے ایک ”دبابہ“ تھا، یہ

ایک خاص قسم کی گاڑی تھی جو موٹا چمڑا منڈھ کر بنائی جاتی اور قلعہ شکنی کے لئے استعمال کی جاتی

تھی۔ (۱۰) جسے آج کے دور کا ٹینک کہا جاسکتا ہے۔ دوسری ”مجنیق“ تھی جس کے ذریعہ وزنی پتھر

دشمنوں کی طرف برسائے جاتے تھے۔ (۱۱) اسے موجودہ زمانے کی توپ کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح

”ضمر“ دبابے ہی کی طرح ایک آلہ تھا۔ لکڑی پر کھال منڈھ کر اسے چھتری کی طرح بنایا جاتا تھا،

تا کہ پیچھے کو تیر سے محفوظ رکھا جائے۔ (۱۲) نیز ”حسک“ ایک خاردار گھاس ہوتی تھی، جسے قلعہ اور

لشکر کے چاروں طرف بکھیر کر راستہ مخدوش کیا جاتا تھا۔ (۱۳) موجودہ دور کی بارودی سرنگیں اسی

کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ آپ نے طائف کے قلعہ پر ”مجنیق“ نصب کی تھی۔ (۱۴) اور

قلعہ کے گرد حسک بکھیری تھی اور دو صحابہ کو شام کے شہر جرش میں دبابے، مجنیق اور ضمر کی صنعت

سیکھنے کے لئے بھیجا۔ (۱۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انداز میں جنگی تربیت حاصل کرنے کی ترغیب

دلاتے تھے، لوگوں کو ورزش کی ترغیب دیتے۔ نشانہ بازی کی مشق کا شوق دلاتے اور گھوڑ دور کے

مقابلے منعقد کرواتے اور اول آنے والے گھوڑوں پر انعام دیتے تھے۔ (۱۶) آپ کا ارشاد ہے۔

من علم الرفی ثم ترکہ فلیس منا۔ (۱۷)

جس نے تیر اندازی کی مشق سیکھ کر چھوڑی وہ ہم میں سے نہیں۔

نیز فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے۔

بنانے والا جو طالبِ ثواب ہو، چلانے والا اور اٹھا کر دینے والا۔ (۱۸)

اور یہی اجر و ثواب جدید جنگی ہتھیاروں، ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور میزائلوں کی تیاری اور استعمال پر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

طاقت کا حصول جنگ سے بچنے کا واحد ذریعہ ہے: دشمن کو بے بس اور مرعوب کرنے اور کشت و خون سے بچنے کا ایک حربہ طاقت کا حصول ہے تاکہ حریف دشمن مرعوب ہو اس میں مقابلہ کی ہمت ہی نہ ہو، قوت ختم ہو کر رہ جائے اور وہ مسلم ممالک کی پالیسیوں اور فیصلوں کو نظر انداز کرنے کی جرات نہ کر سکیں۔ عباسی دور کا ایک شاعر ابو فراس حمدانی اپنے قصیدہ میں کہتا ہے:

اذا ما ارسل الامراء جیشا ☆ الى الاعداء ارسلنا الكتابا

یعنی ہماری دھاک کا یہ عالم ہے کہ جہاں دوسرے حکمرانوں کا مقابلہ

کرنے کے لئے لشکر بھیجنا پڑتا ہے وہاں ہم صرف خط بھیج دیتے ہیں اور

وہی فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

حقیقی قوت یہی ہے کہ اپنے آپ کو اتنا طاقتور اور مستحکم کیا جائے کہ جنگ کے بغیر محض

دارنگ ہی سے اپنے مقاصد کو حاصل کر لیا جائے۔ آج بمبئی واقعہ پر ہندوستان ہمارے ساتھ یہی سلوک کر رہا ہے۔

مخبری اور جاسوسی کا انتظام: دشمن کے جنگی منصوبوں، ہتھیاروں اور جنگی صلاحیتوں سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے تاکہ اس کا مؤثر توڑ اور دفاع ممکن ہو سکے۔ اس کے لئے مخبری اور جاسوسی کا

موثر انتظام کیا جائے۔ آپ کی سیرت طیبہ سے اس اہم شعبہ کی تنظیم کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو اس کام کے لئے مقرر فرمایا۔ بعض اوقات آپ ایک ایک مہم کے لئے متعدد جاسوسوں کو روانہ فرماتے تھے۔ (۱۹) بحری اور جاسوسی کے لئے ایک مستقل مجلس کا تقرر بھی آپ نے فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مخالفین ریاست کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع بہم پہنچائے۔ (۲۰) آج کے جدید سائنسی دور میں دیگر شعبوں کی طرح جاسوسی کا نظام بھی جدید سائنسی بنیادوں پر ترقی یافتہ اور وسعت پذیر ہو چکا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک سیٹلائٹ اور مصنوعی سیاروں کے ذریعہ مختلف ممالک کی خفیہ سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہیں ان کے دفاعی اور جنگی رازوں سے مطلع ہو رہے ہیں۔ اس میدان میں ترقی کر کے ہی ہم دشمن کے عزائم کو ناکام بنا سکتے ہیں۔

۱۔ انہوں کی لازمی جنگی تربیت اور دفاعی اخراجات میں کمی: ملک کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے نوجوانوں کی لازمی فوجی تربیت بھی ضروری ہے۔ ملک کے تمام بالغ افراد پر مشتمل ایسی ریزرو فوج ہونی چاہئے، جو جدید ہتھیاروں کو بخوبی استعمال کر سکتی ہو اور امن و جنگ میں ملک کے دفاع کی صلاحیت رکھتی ہو۔ عہد نبوی کے طرز عمل سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ریاست مدینہ میں فوج کا کوئی مستقل اور علیحدہ ادارہ موجود نہ تھا بلکہ ہر ایک مسلمان کے لئے اسلامی مملکت کا دفاع فرض تھا۔ اور جوانوں کے لئے فوجی تربیت ضروری تھی، گھوڑ سواری، تیر اندازی، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی مشقیں ہوتی تھیں۔ مسلمان اسے اپنا دینی فریضہ سمجھ کر فنون حرب میں مہارت حاصل کرتے اور جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ مجاہدین کو اکٹھا کرنے کے لئے ایک منادی آواز آواز لگاتا تھا۔

یا خیل اللہ ار کبی و بالجنتہ ابشری

اے اللہ کے شہسوار! جہاد کے لئے سوار ہو جاؤ اور جنت کی خوشخبری سنو!

تو سب لوگ جہاد کے لئے دوڑ پڑتے تھے۔ عوام کو لازمی فوجی تربیت دے کر ہم

لاکھوں جوانوں پر مشتمل فوج تیار کر سکتے ہیں جو ہمارے دفاعی اخراجات کو کم کر کے معیشت کو متوازن بنا سکتی ہے کیونکہ ہمارے بجٹ کا زیادہ تر حصہ دفاع پر خرچ ہوتا ہے اور لازمی تربیت سے فوج پر خرچ ہونے والے اخراجات کو کم کر کے اقتصادی صورت حال کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ یہ تربیت محض رسمی نہ ہو بلکہ جدید خطوط پر مکمل فوجی تربیت دی جائے اس طرح یہ ملک عظیم ترین فوجی قوت بن سکتا ہے۔

دفاعی اور صنعتی میدان میں خود کفالت اور جدید ٹیکنالوجی کا حصول آج کا دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آج نہ صرف فوجی ساز و سامان کی تیاری بلکہ دیگر تمدنی لوازم بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کی رہن منت ہیں اور اس میدان میں کسی ملک اور قوم کا محتاج ہونا اور دوسروں کا دست نگر بنے رہنا اس کی سیاسی غلامی سے بھی زیادہ بدتر ہے کیونکہ اس صورت میں اپنی ضروریات کی فراہمی کے لئے بڑی طاقتوں کا دست نگر بن کر ان کی من مانی شرائط کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

ترہبون بہ عدو اللہ

کا مقصد بھیک کے چند ہتھیاروں کو جمع کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا، اس کے لئے بذات خود جدوجہد اور خود کفیل بننے کی ضرورت ہے تاکہ بڑی طاقتوں کے چنگل سے نکل کر ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں۔ اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ﷺ سے بھی ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ آپ نے دو صحابیوں حضرت عروہ بن مسعود اور حضرت غیلان بن سلمہ کو شام کے شہر ”جرش“ میں دبا بے، مخیق اور ضبور کی صنعتیں سیکھنے کے لئے بھیجا تھا۔ (۲۱) اس مجلہ میں پروفیسر زبیا افتخار کا مستقل مضمون اسی پہلو پر موجود ہے۔

استحکام پاکستان کے اہم نکات

ملکی استحکام اسی وقت حاصل ہوگا جب محسنین کو یاد رکھا جائے گا، اگر انہیں بھلا دیں یا ذاتی مفاد کے لئے جیل میں ڈال دیں تو آئندہ کوئی اس ملک کے لئے قربانی نہیں دے گا، اسلامی

نقطہ نظر سے مسلم و غیر مسلم شہریوں کی جان و مال آبرو کو مکمل تحفظ حاصل ہے، اگر ہم خود ان پر جہازوں سے بمباری کریں یا غیر مسلموں اور ان کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچائیں تو اس سے قومی جذبات مجروح ہوں گے، واضح رہے ۶-۷ جنوری ۲۰۰۸ء کے اخبارات کے مطابق صدر مملکت نے پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز ایوارڈ ہلال پاکستان امریکہ کے چوتھے درجہ کے ایک عہدیدار رچرڈ ہاؤچر نائب وزیر خارجہ کو دیا ہے، جبکہ حال یہ ہے کہ پچھلے ۱۰۰ دنوں میں امریکہ نے ۳۸ بار پاکستان پر میزائل سے حملہ کیا، زمینی حملہ کیا، جس میں دوسو سے زائد پاکستانی شہید ہوئے ہیں؟ ملک کے کسی صوبہ یا حصہ کو اگر وسائل کی فراہمی میں نظر انداز کیا جائے تو یہ احساس محرومی اسے ہم سے جدا کرنے کا سبب بنے گی، جیسا کہ بنگلہ دیش میں ہوا، اپنی حکومت کو دوام دینے کے لئے اگر عدل کی فراہمی میں رکاوٹ ہو چکے یا عدلیہ آزاد نہ ہوں تو مظلوم سے کبھی امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ملک کے لئے قربانی دے گا جب لوگوں کو کسی ملک سے کچھ ملتا ہے تو وہ بھی اس ملک کو کچھ دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں، صورت حال یہ ہے کہ ملک میں زکوٰۃ کا نظام ہے، لیکن سیاسی بنیادوں پر زکوٰۃ کی تقسیم ہوتی ہے، ممبران تمام سیاسی بنیادوں پر مقرر کئے جاتے ہیں، جس سے عوام کی کفالت نہیں ہو رہی ہے، یہی صورت حال بیت المال کی ہے۔

خواتین جو اس ملک کی ساٹھ فیصد کے قریب شہری ہیں، انہیں غیرت کے نام پر روایت کے نام پر زندہ درگور کیا جائے یا دشمن کو نشانہ بنانے کے لئے ”کاری“ قرار دے کر قتل کیا جائے، اور ارباب صل و عقد اس پر فخر کریں، تو یقیناً جاننے کبھی ملک کو استحکام حاصل نہیں ہو سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا:

کفر کے ذریعہ حکومت قائم رہ سکتی ہے، ظلم کے ذریعہ نہیں۔

خواہ یہ حکومت کسی کی بھی ہو ضرورت ہے، دہشت گردی کے اسباب کو ختم کیا جائے رواداری کا پہلے خود حکومت مظاہرہ کرے پھر عوام سے اپیل کرے، ملک میں یکساں نظام تعلیم نافذ کرے جو اسلامی اقدار پر مبنی ہو تو انشاء اللہ یہ ملک دن دو دن رات چو گئی ترقی کرے گا، اور ساری

دنیا کے لئے مثال و نمونہ بنے گا۔

غلبہ اسلام کی پیشینگوئیاں!

دشمن خواہ کتنے ہی منصوبے بنائے ہمیں یقین ہے اسلام غالب رہے گا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں حضرت مقداد بن الاسودؓ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ:

روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا نہ اونٹ کے بالوں کے کبلوں سے بنا خیمہ، جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کر دے! خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر خواہ کسی بد بخت کی مغلوبیت کے ذریعے۔

یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو عزت عطا فرما دے گا اور کلمہ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا یا انہیں مغلوب فرما دے گا کہ اسلام کے محکوم بن جائیں۔ حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک پر میں نے اپنے دل میں کہا:

پھر تو (واقعاً) دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے گا! (۲۲)

امام مسلمؒ نے حضرت ثوبانؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے لئے کل زمین کو پلیٹ دیا گیا۔ چنانچہ میں نے اس کے (تمام) مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔ اور یقیناً میری امت کی حکومت اس پوری زمین پر قائم ہو کر رہے گی جو میرے لئے پیشی گئی۔

قرآن کریم کے ان واضح اشارات اور نبی اکرم ﷺ کی ان صریح پیشینگوئیوں کے بعد بھی اگر کسی کے دل میں اسلام کے عالمی غلبے کے بارے میں کوئی شک یا شبہ باقی رہے تو یہ ایمان کے فقدان یا کم از کم شدید ضعف کی علامت ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کی رائے: یہی وجہ ہے کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی معرکہ الآراء تصنیف ازالۃ الخلافۃ الخلفاء میں وجوب قیام خلافت پر بحث کرتے ہوئے جہاں بعض دوسری آیات کا بھی حوالہ دیا ہے وہاں سورہ توبہ، سورہ فتح اور سورہ صف کی محولہ بالا آیت پر تفصیلاً بحث کی ہے۔

اور اس کے اصل مفہوم کو متذکرہ بالا احادیث کی روشنی میں واضح کیا ہے، جس سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ بالآخر پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا غلبہ اسی طرح ہو کر رہے گا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جزیرہ نمائے عرب پر ہو گیا تھا۔

اقبال نے آنے والے دور کی دھندلی سی ایک تصویر دیکھ لی تھی جب فرمایا تھا کہ:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش ☆ اور ظلمت رات کی سیلاب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام جود ☆ پھر جنیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں ☆ محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے ☆ یہ چمن معمور ہوگا نغمہء توحید سے
پاکستان کے بقا و استحکام کے لئے جو امور لازمی اور ناگزیر ہیں وہ سب کے سب ایک ہی سمت میں اشارہ کر رہے ہیں اور وہ ہے ”اسلامی انقلاب“ کی سمت، البتہ ایک قیادت کا مسئلہ ایسا ہے جو بظاہر ٹیڑھی کھیر نظر آتا ہے اور بلی کی گردن میں گھٹی باندھنے کے مترادف بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسلامی انقلاب کے لئے لامحالہ ایک ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو ایک جانب مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء حق کا اعتماد حاصل کر سکے، دوسری جانب جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی مطمئن کر سکے اور تیسری جانب عوام میں بھی مقبولیت حاصل کر سکے۔ اور فی الوقت بظاہر احوال جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ:

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو ☆ ترس گئے ہیں کسی مرد راہ والے کے لئے

کے مصداق شاید یہ امت مسلمہ کی کوکھ ایسے سپوتوں کے اعتبار سے بانجھ ہو گئی ہے تاہم نوید قرآنی ہے:

اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتہا (۲۳)

جان لو کہ اللہ زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔

کی روی امید رکھنی چاہئے کہ امت کی سوکھی کوکھ بھی از سر نو ہری ہو سکتی ہے۔ بہر حال! اس ضمن میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ایسی قیادت نہ آسمان سے نازل ہوگی نہ ہی کہیں سے درآمد کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس کے وجود میں آنے کی واحد صورت یہی ہے کہ اللہ کو منظور ہوا تو اسی جدوجہد کے دوران وہ قیادت بھی ابھر کر سامنے آجائے گی اور اسے عوام و خواص سب کا اعتماد بھی حاصل ہو جائے گا۔ (۲۴)

ہم نے ملکی استحکام کے لئے تیسری سالانہ صوبائی سیرت النبی کانفرنس ۸-۲۰۰۷ء کا عنوان:

”استحکام پاکستان کی بنیادیں سیرت طیبہ کی روشنی میں“

رکھا تھا۔ آج جب کہ ”پاکستان نہ کھین کی“ صدائیں ایک دفعہ پھر بلند ہونے لگی ہیں پہلے سے زیادہ شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ ہم اپنے معاملات و رویوں پر نظر ثانی کریں، کانفرنس میں پورے سندھ سے شرکاء نے اردو، عربی، انگریزی، سندھی میں اپنے تحقیقی مقالات پیش کئے، جنہیں اس شمارہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں سیرت طیبہ میں آج بھی وہ تاثیر موجود ہے کہ اسے اپنا کر نہ صرف ذاتی زندگی بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی انقلاب لایا جاسکتا ہے۔

لا یسمن لثناء کما کان حقہ ☆ بعد از خدا بزرگ تو نبی قصہ مختصر

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری اور ہمارے جملہ احباب کی اس خصوصی

کاوش کو قبول فرمائے۔ جن حضرات نے داہے درم خنہ ہمارے ساتھ

تعاون کیا بالخصوص سر سید انجینئرنگ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نظامی

صاحب کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں، دعاء ہے اللہ تعالیٰ اس مملکت

خدا ادا کو تمام استعماری قوتوں سے محفوظ فرمائے، اسے استحکام و دوام بخشے،
اور اس قابل بنائے کہ یہ ملک امت مسلمہ کی قیادت و رہنمائی
کرے۔ (آمین)

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے ☆ امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے ☆ پردیس میں وہ آج غریب الغریاء ہے
ایک خواہش اور تڑپ ہے کہ ملک عظیم سے عظیم تر ہو، دین اسلام کی سر بلندی ہو، اس
طویل اداریہ کا خاتمہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے اس شعر پر کرتا ہوں:

عقل کہتی ہے ناداں نہ ہو گمراہ نہ ہو ☆ عشق کہتا ہے کیا لطف اگر چاہ نہ ہو
سوزش عام ہو تب آگ سے اٹھتا ہے دھواں ☆ عشق کامل کا جو دعویٰ ہے تو پھر آہ نہ ہو؟

چیف ایڈیٹر

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

حواشی و حوالہ جات

- ۱۔ سورہ حج، آیات ۷۷ تا ۷۸
- ۲۔ ندوی، وحی مظہر، تکبیر کراچی، ۲۰ اگست، ۱۹۸۰ء
- ۳۔ روزنامہ امن کراچی، ۱۶ دسمبر ۱۹۹۸ء
- ۴۔ سورہ ابراہیم، آیت ۷
- ۵۔ سورہ جحدہ، آیت ۲۱
- ۶۔ جنگ کراچی ۱۲۸ اکتوبر ۲۰۰۸ء
- ۷۔ سورہ حشر، آیت ۲
- ۸۔ اسرار احمد، ڈاکٹر، استحکام پاکستان کا واحد ذریعہ اسلامی انقلاب ہے، مرکزی انجمن
خدا القرآن لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۹

- ۹۔ سورہ انفال، آیت ۶۰
- ۱۰۔ روض الانف للمسیلی فصل ذکر تعلیم اہل الطائف، مطبوعہ مصر، ۱۳۳۲ھ، ج ۱، ص ۹۱، اور
البدایہ والنہایہ ج ۴، ص ۳۴۸
- ۱۱۔ ایضاً
- ۱۲۔ ایضاً
- ۱۳۔ ایضاً اور مقریزی امتاع الاسماع حصن الطائف، ص ۴۱۸
- ۱۴۔ مقریزی، ص ۴۱۸
- ۱۵۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۳۴۵
- ۱۶۔ خطبات بہاولپور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۴۲
- ۱۷۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب اعداد و آلۃ الجہاد اور صحیح مسلم
- ۱۸۔ ایضاً، اور سنن ترمذی وابن ماجہ
- ۱۹۔ مثلاً دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب المغازی
- ۲۰۔ التراجیب الاداریہ للکتانی، مطبوعہ رباط، ۱۳۴۶ھ، ج ۱، ص ۳۶۱
- ۲۱۔ البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۳۴۵
- ۲۲۔ واضح رہے کہ حضرت مقدادؓ کے ان الفاظ میں اشارہ ہے سورہ انفال کی آیت نمبر ۳۹
میں وارد شدہ ان الفاظ مبارکہ کی جانب کہ ترجمہ: اور جنگ کرتے رہو ان سے یہاں
تک کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔
- ۲۳۔ سورہ حدید، آیت ۱۷
- ۲۴۔ استیقام پاکستان کا واحد ذریعہ اسلامی انقلاب، ڈاکٹر اسرار احمد، مرکزی انجمن خدام
القرآن، لاہور، ۱۹۸۶ء،



مذاکرہ

بمعنوان

اکیسویں صدی میں قرآن و علوم القرآن کے فروغ اور اس سے

استفادہ میں کمپیوٹر کا حصہ

قارئین کرام جیسا کہ آپ کے علم میں ہے بہت سے افراد و ادارے قرآن کریم پر اپنے اپنے طور سے مختلف النوع خدمات انجام دے رہے ہیں بے شمار ویب سائٹ اور سافٹ ویئر تیار ہو چکی ہیں۔ مختلف ڈکشنریز پروگرام تیار کئے جا رہے ہیں۔

اس مذاکرہ کے انعقاد کا مقصد ایسے افراد کے درمیان رابطہ قائم کرنا، باہم معلومات کا تبادلہ کرنا اور جو کام ہو چکا ہے اس کی روشنی میں مزید پیش قدمی کرنا اور ایسی کوششوں کی نشر و اشاعت کرنا ہے۔

لہذا گزارش ہے ایسے افراد و اداروں کی نشاندہی کی جائے جو کسی بھی زاویہ سے اس پہلو پر کام کر رہے ہوتا کہ اس مذاکرہ میں انھیں بھی مدعو کیا جاسکے۔

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

Tel : 021-9206316-7
Fax : 021-9206318



Mufti Feroz uddin Hazarvi

No. Advisor to C.M. Sindh/ 2008/ 138

ADVISOR TO
CHIEF MINISTER SINDH

Off. Room No. 2-B, M.P.A. Hostel, Karachi

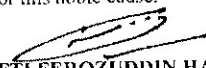
Karachi dated: 21-7-2008

MESSAGE

It gives me immense pleasure to learn that Anjuman Asatidh Uloom-e-Islamia Colleges, Karachi is going to organize Provincial Serrat-un-Nabi (P.B.U.H) Conference in 2008. It is a matter of great satisfaction that the ensuing noble Conference is a sincere efforts of the Organizer towards learning from scholarly discourse of renowned scholars and Ulema for the students of Seerat.

I do earnestly hope that the said Conference becomes more important especially in the present era when the muslim ummah is facing so many critical challenges of various nature. The learning about preaching and sunnah will be a source in eliminating religious extremism, sectarianism and will be a source to keep the all on right path.

I pray May Allah bestow for this noble cause.


(MUFTI FEROZUDDIN HAZARVI)

Phone #: 9203658-9
Fax #: 9203660



Ahbul Haseeb

PS/MIN/AUQAF/7/08
MINISTER FOR AUQAF
GOVERNMENT OF SINDH

Karachi Dated : 24-7-2008

جناب پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ حضرات تیسری صوبائی سیرت النبی ﷺ کانفرنس بعنوان

استحکام پاکستان کی بنیادیں

سیرت طیبہ کی روشنی میں

منعقد کر رہے ہیں اور اس سے قبل بھی سیرت طیبہ کے تاثر میں مذہبی رواداری، غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے حسن سلوک جیسے شاندار
موضوعات پر کانفرنسوں کا انعقاد کر چکے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں سیرت طیبہ ایک ایسا بہترین نمونہ ہے جس پر عمل کر کے ہم انفرادی و اجتماعی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتے

ہیں۔

اس وقت ہمیں جس چیز کی سخت ضرورت ہے وہ باہمی اتحاد اور ملکی استحکام ہے ملک اندرونی و بیرونی خلفشار کا شکار ہے ان حالات

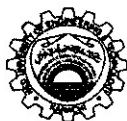
میں اس موضوع پر کانفرنس اندھیرے میں اجالا کرنے کے مترادف ہے۔

آپ حضرات کی یہ مساعی انتہائی قابل مبارکباد ہے،

میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اپنے نیک ارادوں میں کامیاب کرے یہ کانفرنس ملکی استحکام میں معاون و مددگار ہو۔

میں اپنی وزارت اور حکومت سندھ کی جانب سے مکمل تعاون کا یقین دلاتا ہوں

خیر اندیش
عبدالغنیب



A. Kalam C.Eng.

M.A., B.Sc., F.I.E.T.
F.I. Mech. E., F.C.I.L.T.
VICE-CHANCELLOR

NED UNIVERSITY OF ENGINEERING & TECHNOLOGY
UNIVERSITY ROAD, KARACHI-75270, PAKISTAN

Tel: (92-21) 9261253, 9261262-68/2242
Fax: (92-21) 9261205
E-mail: vc@neduet.edu.pk
Website: <http://www.neduet.edu.pk>

Message

It is good that Professor Salahuddin Sani intends publishing his Research Publication again on the occasion of the Conference regarding Sirat-un-Nabi (SAW) scheduled during the month of Rabiul Awal this year. The subject of this publication would apparently be Islamic Studies, it is hoped that this publication would also be translated into other languages including English

There are some Universities in our country such as the NED University of Engineering and Technology, where the medium of instruction has of necessity to be the English Language because of compulsion of higher learning as well as employment abroad. It is in these Universities that the need for English translations of Research publications dealing with the type of subjects being dealt with by Prof. Salahuddin Sani is being felt – especially now-a-days to counter false propaganda against Islam. It is hoped that the translation of this publication would, to considerable extent, fulfil these requirements.

A. Kalam
Vice-Chancellor

شیخ المصباح



کراچی نیو سٹریٹ، کراچی

پیغام

جناب پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی صاحب
السلام علیکم!

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ حضرات تیسری صوبائی سیرت النبی ﷺ کانفرنس بعنوان ”استحکام پاکستان کی بنیادیں۔ سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں“ منعقد کر رہے ہیں اور اس سے قبل بھی سیرت طیبہ ﷺ کے تناظر میں مذہبی رواداری، غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے حسن سلوک جیسے شاندار موضوعات پر کانفرنسوں کا انعقاد کر چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں سیرت طیبہ ﷺ ایک ایسا بہترین نمونہ ہے جس پر عمل کر کے ہم انفرادی و اجتماعی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

اس وقت ہمیں جس چیز کی سخت ضرورت ہے وہ باہمی اتحاد اور ملکی استحکام ہے ملک اندرونی و بیرونی خلفشار کا شکار ہے ان حالات میں اس موضوع پر کانفرنس اندھیرے میں اجالا کرنے کے مترادف ہے۔

آپ حضرات کی یہ مساعی انتہائی قابل مبارکباد ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اپنے نیک ارادوں میں کامیاب کرے اور یہ کانفرنس ملکی استحکام میں معاون و مددگار ہو۔

خیر اندیش
محمد علی

۱۰ ستمبر ۲۰۰۸ء

(پروفیسر ڈاکٹر پیر زادہ قاسم رضا صدیقی)



National Forum of Thinkers

A-82, Block-15-A/5, Buffer Zone, North Karachi.
Ph: 6990100, M-0300-9207353

MESSAGE FOR THE INITIATIVE THAT ABOUNDS WITH GRACE

President:

Prof. A.K. Shams,
Former Member,
Parliament of Pakistan.

Vice-President:

Qaiser A. Shaikh,
Former Member,
Parliament of Pakistan.

Secretary-General:

Prof. Khawaja Qamrul Hasan

Chief Organizer:

Syed Azhar Hasan

Additional Secretaries

General:

Prof. Izhar-ul-Hasan Haideri
Prof. Mujeeb-ur Rahman
Prof. Dr. Ferhat Azeem

Secretary Finance:

Muhammad Zubair, Advocate

Deputy Secretary-General:

Engr. Shafiq A. Siddiqui

It has given me a great deal of pleasure to know that Anjuman Usatza Uloom Islamia Colleges of Sindh, deeply animated by what stands identified as masterfully interwoven fabric of Islam's unfettered graceful provisions, has decided to hold a SEMINAR on PAKISTAN'S STABILITY UNDER THE WARM MANTLE OF SEERAT TALABAH.

Of great importance is the fact that Pakistan, created in the name of ISLAM through supreme sacrifices of lives and properties, urgently needs higher priority irrigation and evolutionary strategy in the light of SEERAT TALABAH to build what has not been built to which the whole nation remains increasingly beholden.

It can be said without any reservation that Anjuman Usatza Uloom Islamia Colleges is the only organization of the highly qualified and devoted teachers of Colleges of Sindh that has been bolstering the importance of Islamic illumination flares through various productive activities such as Seminars, Projection meetings, Symposia and publication of magazines and souvenir.

In this mighty world where different ideologies, conflicting ideas and blue sky thinking are boiling from emotional priorities, commandments of ALLAH(SWT), contained in the HOLY QURAN, and SEERAT TALABAH are effectively rainbowing on the human horizon in an ascending order of reformatory forcefulness, paving the way for the human beings to emerge as constellation of admirers of human peace and happiness and to unitedly try to heal the legacy of fears, tears and frustration.

I wish the SEMINAR a great success so that the efforts of the Anjuman Usatza Uloom Islamia Colleges to build Pakistan stronger than ever before in the light of SEERAT TALABAH could sparkle in clarity.



Prof. A.K. Shams

نگر اہل کراچی، ملی منزل، سیدہ حمیرا، SB-4

بلاک C-13، گلشن اقبال، مین بونڈ روڈ، کراچی

فون آفس: 021-4830512-3

فون رہائش: 021-4983323

موبائل: 0300-8240458

0300-9244516

حوالہ نمبر: MAT/2008/091

ڈاکٹر محمد اسعد تھانوی

ڈپٹی سکریٹری جنرل جمعیت علمائے اسلام پاکستان

چتر پور، نئی چنگی نول سندھ

مہتمم ماسٹر شریعہ

ایڈریس: "الاشرف" کراچی

تاریخ: 23.08.2008

تیسری صوبائی سیرت النبیؐ کا کنفرنس

پیغام

مجھے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ کراچی نے 2008ء کیلئے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ولادت با سعادت کو شایان شان طریقے سے منانے کیلئے تیسری صوبائی سیرت النبیؐ کا کنفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔

قرآن نے بھی مسلمانوں کو دین کی دعوت حکمت کے ساتھ دینے کی تعلیم دی ہے تاکہ لوگ اسلام کے اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ تعلیم سے متاثر ہو کر اسلام کا حصہ بننے پلے جائیں اور خود مسلمانوں میں رواداری و محبت کو فروغ حاصل ہو اور فرقہ واریت اور کشت و خون کا خاتمہ ہو۔

یہ بات قابل فخر ہے کہ "انجمن اساتذہ علوم اسلامیہ کالج کراچی" نے اساتذہ کرام میں تعزیف و تالیف کے ذوق کے فروغ دینے کیلئے سیمینار کا انعقاد کیا تھا اور اب صوبائی سیرت النبیؐ کا کنفرنس کا پروگرام ہے۔

اس کاوش میں جو تمام لوگ شامل ہیں میں ان کے لئے خاص طور سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو کامیاب کرے اور آئندہ بھی اس قسم کی تقریبات منعقد کرنے کا حوصلہ دے۔ (آمین)

محمد اسعد

(ڈاکٹر مولانا محمد اسعد تھانوی)

قارئین و محققین کیلئے مختصر تعارف

انٹرنیشنل

ششماہی

علوم اسلامیہ

اردو، عربی، انگریزی، سندھی

قیمت: 200 روپے، پاکستان میں ڈاک خرچ 35 روپے

مجلہ حکومت پاکستان کی وزارت اطلاعات سے منظور شدہ ورجرٹرڈ ہے جلد ایچ ای سی اسلام آباد سے بھی منظور ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

امریکہ کے عالمی انٹرنیشنل ادارہ الرش پیروڈیکل (AL-Rich's Periodicals) میں درج کر لیا گیا ہے اور ۲۰۰۷ء کی سپلیمنٹ ڈائریکٹری میں شائع ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ فرانس کے انٹرنیشنل سینٹر (International Centre) نے بھی بحیثیت ”تحقیقی مجلہ“ خصوصی نمبر 1994-2397 ISSN الاٹ کر دیا ہے۔ دنیا بھر میں اس مجلہ کا مفت مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یونیورسٹیز و دینی مدارس کے محققین کے علمی مقالات مجلہ میں شائع ہوتے ہیں۔ سال میں دو شمارے شائع ہوتے ہیں پہلا شمارہ محرم تا جمادی الثانی مطابق جنوری تا جون سیرت النبی نمبر ہوتا ہے دوسرا شمارہ رجب تا ذی الحج مطابق جولائی تا دسمبر جنرل موضوعات پر مشتمل ہوتا ہے اب تک نو شمارے شائع ہو چکے ہیں دسواں شمارہ زیر اشاعت ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ۲۰۰۵ء کا پہلا شمارہ سیرت النبی کا مذہبی رواداری نمبر تھا (۲۲۸ صفحات)

۲۔ ۲۰۰۵ء کا دوسرا شمارہ تعلیم و تحقیق نمبر تھا (۲۶۸ صفحات)

۳۔ ۲۰۰۶ء کا پہلا شمارہ سیرت النبی نمبر تھا (۵۹۲ صفحات)

۴۔ ۲۰۰۶ء کا دوسرا شمارہ شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی نمبر تھا (۳۶۴ صفحات)

۵۔ ۲۰۰۷ء کا پہلا شمارہ سیرت النبیؐ پر غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے حسن سلوک نمبر تھا (۶۴۰ صفحات)

۶۔ ۲۰۰۷ء کا دوسرا شمارہ اسلامی و عربی زبان و ادب نمبر تھا (۵۷۱ صفحات)

۷۔ ۲۰۰۸ء کا پہلا شمارہ سیرت النبیؐ نمبر تھا (۶۲۴ صفحات)

۸۔ ۲۰۰۸ء کا دوسرا شمارہ علوم القرآن نمبر تھا (۸۴۴ صفحات)

۹۔ ۲۰۰۹ء جنوری تا جون پہلا شمارہ سیرت النبیؐ نمبر ”استحکام پاکستان کی بنیادیں سیرت طیبہ کی روشنی میں“ ہے۔

۱۰۔ ۲۰۰۹ء جولائی تا دسمبر دوسرا شمارہ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا محمد علی جوہرؒ حیات و خدمات نمبر ہوگا۔

۱۱۔ ۲۰۱۰ء جولائی تا جون سیرت النبیؐ نمبر ہوگا۔

۱۲۔ ۲۰۱۰ء جولائی تا دسمبر جس میں عہد حاضر کے جدید اجتہادی فقہی مسائل پر مقالات شامل اشاعت ہوں گے۔

مجلہ میں ترجیحی طور پر صرف وہ مضامین شائع کئے جاتے ہیں جو اصول تحقیق کے مطابق مکمل حوالہ جات کے ساتھ ہوں۔

چیف ایڈیٹر: پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

خط و کتابت کیلئے ہیڈ آفس

مکان نمبر: 162 سیکٹر 8/L اورنگی ٹاؤن کراچی

0300266477